

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ
عاشقِ حقیقی
کھنڈو

جلد نمبر ۶۱

شمارہ نمبر ۱۱

نومبر ۲۰۱۷ء

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان: ۲۰۰ روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک: ۳۵ امریکی ڈالر

نی شمارہ: ۲۰ روپے

لائف ٹائم خریداری: ۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچہ پیکر چٹ پرگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہونے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (نمبر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

عائشہ حسنی

میونہ حسنی

محمود حسن حسنی

جعفر مسعود حسنی

ذراعت و ریزوان MONTHLY لکھنؤ

ذراعتوں اور خط و کتابت کا پتہ

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin: 226018 - Mobile: 9415911511

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گون روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

ایڈیٹر: پرنٹر: پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پرپریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaltepur@gmail.com

پبڈنگ: ناشر میڈیا لکھنؤ فون: 9792913331

فہرست مضامین

- ۵ اپنی بہنوں سے مدنیہ
- ۶ حدیث کی روشنی میں امة اللہ تسنیم
- ۸ سری لنکا کے دوستی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- ۱۰ نماز میں خشوع و خضوع موانع و تدابیر مفتی محمد عبداللہ قاسمی
- ۱۳ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے واقعات .. عبدالمالک مجاہد
- ۱۸ اسلامی تہذیب پروفیسر محسن عثمانی ندوی
- ۲۰ شرف انسانیت کا معیار علم و فضل حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
- ۲۲ اسلام میں وعدہ کی اہمیت مفتی محمد عبداللہ قاسمی
- ۲۶ ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمرہ رضی اللہ عنہا طالب البہاشی
- ۲۸ اسلام پیزار طبقہ اور ہماری ذمے داری مولانا محمد سلمان بجنوری
- ۳۱ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی مفتی رفیق احمد بالا کوٹی
- ۳۲ مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض
- ۳۷ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟
- ۴۰ سوال و جواب مفتی راشد حسین ندوی
- ۴۱ آخری صفحہ مولانا قمر الزماں ندوی



اپنی بہنوں سے

مدیر

آج کل جو حالات چل رہے ہیں اس میں ہماری ملی اور دینی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کو دبایا جا رہا ہے ان کی مسجدوں، مدرسوں پر حملے ہو رہے ہیں اور کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کی دینی، ثقافتی پہچان کو مٹا دیا جائے۔ اور ان کو اس لائق نہ رکھا جائے کہ وہ ایک باعزت قوم و ملت کی حیثیت سے زندگی گزاریں اور معاشی طور پر ان کو ایسی پستی پر پہنچا دیا جائے کہ وہ کچھ سوچنے اور سمجھنے کے لائق نہ رہ جائیں۔

ان مشکل حالات میں ہم کو نہایت غور و فکر کر کے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے جذبات میں نہ آ کر جوش و غصہ سے بچنا چاہئے لیکن اسی کے ساتھ اپنے مدارس، مساجد اور دینی تعلیمی اور عصری درسگاہوں کی حفاظت میں مضبوطی کے ساتھ آہنی دیوار بن جانا چاہئے تاکہ سازش کرنے والوں اور دشمنوں کی سمجھ میں آ جائے کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے لیکن اس کے لئے قومی ملی اتحاد کی شدید ضرورت ہے ذاتی نفع نقصان سے بے پرواہ ہو کر اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کر کے ہی اس میدان عمل میں کامیابی مل سکتی ہے پست ہمتی، بزدلی اور ذاتی نفع و نقصان سے بے نیاز ہو جانا اس مسئلہ کا حل ہے۔

اور جو شخص نماز کا انتظار کرے اور پھر باجماعت امام کے ساتھ ادا کرے تو اس کو اس شخص سے زیادہ ثواب ملے گا جس نے نماز پڑھی اور سو گیا۔ (بخاری۔ مسلم)

اندھیرے میں مسجد آنے کا ثواب

حضرت براء بن مریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اندھیری راتوں میں مسجد میں آتے ہیں ان کو قیامت کے دن پورے نور کی بشارت دو۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو ایسا عمل نہ بتا دوں جس کے سبب اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے، اور درجہ بلند کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تکلیف کے وقت پورا پورا وضو، مسجد کی طرف قدموں کی زیادتی اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار سرحد کی حفاظت ہے یہ سرحد کی حفاظت ہے۔ (مسلم)

ایمان کی علامت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو مسجد میں آتے جاتے اور اس کی خبر لیتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

مسجد میں جانے کی فضیلت

اللہ کی مہمانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صبح یا شام کو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جنت میں مہمانی کرے گا۔ (بخاری۔ مسلم)

قدموں کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے غسل یا وضو کر کے پاک ہو کر مسجد میں فرض نماز کے لئے آئے تو اس کا ایک قدم خطا کو مٹائے گا اور دوسرا قدم ایک درجہ بلند کرے گا۔ (مسلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کا گھر مسجد سے اتنا دور تھا کہ اس سے زیادہ دور کسی کا نہ تھا اور اس کی کوئی نماز جماعت فوت نہ ہوتی تھی تو اس سے لوگوں نے کہا کہ ایک گدھا خرید لو اس پر سوار ہو کر رات کی تاریکی اور دن کی تپش میں آ جایا کرو، کہا یہ مجھے پسند نہیں کہ

مسجد کے پہلو میں میرا گھر ہو، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرے نشان قدم گھر سے مسجد تک اور مسجد سے گھر تک لکھے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تمہارے لئے سب کا سب جمع کر دیا ہے۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے گرد کچھ گھر خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب آ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں نے تو سنا ہے کہ تم مسجد کے قریب رہنے کا ارادہ کرتے ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ بیشک آپ نے صحیح سنا۔ ہمارا ارادہ تو ایسا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر ہی میں رہو۔ تمہارے قدم گھر سے مسجد تک آنے کے لکھے جائیں گے۔ انہوں نے کہا اب ہم کو گھر بدلنا پسند نہیں۔ (مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر دور سے کوئی نماز پڑھنے آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب پائے گا۔

نماز کا انتظار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جب تک مسجد میں رہتا ہے نماز ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ جب تک اس کو نماز نے روکے رکھا ہو اور گھر جانے کے لئے بجز نماز کے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ (بخاری - مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں اتنی دیر لگائی کہ آدمی رات ہو گئی، پھر نماز پڑھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو گئے اور تم جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے نماز ہی کی حالت میں رہے (یعنی نماز کا انتظار نماز ہی میں شمار ہوگا)۔ (بخاری - مسلم)

تنہا اور جماعت سے نماز کا فرق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے پڑھنے سے ستائیس حصہ زیادہ ہے۔ (بخاری - مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز کا ثواب گھر اور بازار کی نماز سے پچیس حصے زیادہ ہے مگر یہ اس وقت جب کہ اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد جائے اور صرف نماز ہی کا شوق اس

کو مسجد لایا ہو تو ایک قدم ایک خطا منادے گا اور دوسرا قدم ایک درجہ بلند کرے گا اور جب تک وہ نماز پڑھتا رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وضو نہ ٹوٹے، کہتے ہیں اے اللہ اس کی بخشش فرما اور اس پر رحم فرما اور وہ جب تک نماز کا انتظار کرے گا نماز ہی میں شمار ہوگا۔ (بخاری - مسلم)

جماعت کی اہمیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے مسجد تک لانے والا کوئی نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں گھر پر نماز پڑھ لیا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، جب وہ چلے گئے تو آپ نے اُن کو بلا کر فرمایا تم اذان کی آواز سنئے ہو، عرض کیا جی ہاں، فرمایا پھر تو تم مسجد ہی آیا کرو۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ ابن ام مختوم مؤذن روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مدینہ میں موذی جانور اور درندے بہت ہیں اور میں نابینا ہوں کیا مجھے جماعت میں شریک نہ ہونے کی اجازت مل سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حجی علی الصلوٰۃ حجی علی الفلاح کی آواز سنئے ہو، عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو تم ضرور آؤ اور رخصت نہ دی۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ کسی کو کٹڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر مؤذن کو اذان کہنے کا حکم دوں، پھر ایک آدمی کو امامت کے لئے آمادہ کروں، پھر جو جماعت میں شریک نہ ہوں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (بخاری - مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جس شخص کو اس کا ذوق ہو کہ وہ قیامت کے دن مسلمان کی طرح اللہ کے سامنے پیش ہو وہ پانچوں وقت کی نماز اس مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہے باجماعت ادا کرے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو جو طریقہ ہدایت عطا فرمایا ہے اس میں پانچوں نمازیں باجماعت پڑھنا بھی شامل ہے، تو اگر تم نے اپنے گھروں میں پڑھ لی جیسا یہ پیچھے رہ جانے والا اپنے گھر میں پڑھتا ہے تو بیشک تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کر دی، اور اگر تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کر دی تو تم گمراہ ہو گئے۔ ہم نے کسی صحابی کو جماعت سے غیر حاضر ہوتے نہیں دیکھا، جماعت سے وہی شخص غیر حاضر ہوتا تھا جو کھلا ہوا منافق ہوتا تھا، بیمار بھی دو آدمیوں کے سہارے سے آ کر صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ (مسلم)

سری لنکا کے دوستی

لئے شواہح (جو وہاں کی غالب آبادی ہے) کے ساتھ ساتھ سلفی حدیث اور یونہی حضرت کے ساتھ ساتھ بریلوی مسلک کے حاملین سب اسی نصاب کو پڑھتے ہیں، اس نصاب میں ہندوستان کے ادارہ دینیات ممبئی کے نصاب کو بنیاد بنایا گیا ہے اور اس کے علاوہ جنوبی افریقہ اور بعض دوسرے ملکوں کے نصاب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے، جمعیت کے ذمہ داروں نے طے کیا تھا کہ وہ

دس سال میں سری لنکا کی تمام مسلمان آبادیوں تک کتب کا یہ نظام پہنچا دیں گے، تاکہ کوئی مسلمان بچہ دین کی بنیادی تعلیم سے محروم نہ رہ جائے، اس منصوبہ کو تقریباً چھ سال کا عرصہ گزرا ہے اور وہ اپنے ہدف کے قریب ہے، بلکہ امید ہے کہ اپنے مقررہ وقت سے ایک دو سال پہلے ہی پورے سری لنکا کا احاطہ ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اقلیت کے لئے مکاتب کا نظام صرف تعلیم کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی ایک موثر تدبیر ہے، سری لنکا کی آبادی دو ٹور ہے اور وہاں مسلم آبادی بیس لاکھ ہے، اس طرح دس سال کی منصوبہ بندی کا مطلب یہ ہے کہ ہر سال مسلمانوں کی ایک لاکھ آبادی کتب کے نظام سے جڑ جائے، اندازہ ایک لاکھ افراد میں سے کتب میں پڑھنے والے بچوں اور بچوں کی تعداد بیس، چھپس ہزار ہوگی، یہ ایک بڑا کام ہے، ہندوستان میں بھی اس وقت شدید ضرورت ہے کہ ملک کے چھپ چھپ پر مکاتب کا جال بچھادیا جائے، محتاط اندازہ کے مطابق ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کم و بیش ۲۰ کروڑ ہے، اس میں اگر کتب کے بچوں کی تعداد چھپس فیصد مانی

ترین پڑوسی ہے، جس کو سیلون بھی کہا جاتا ہے اور جس کو عرب ”جزیرہ سرندیپ“ کہتے تھے اور اسے ہندوستان ہی کا ایک حصہ مانتے تھے۔

تقریباً ایک ہفتہ مجھے اس ہرے بھرے، سرسبز و شاداب، خوبصورت، آلودگی سے پاک اور بہار بداماں جزیرہ میں رہنے کا موقع ملا اور سوائے جافتا کے علاقہ کے۔ جو تمل ٹائیگرز کا مرکز تھا۔ اکثر علاقوں میں جانے کی نوبت آئی، اس پورے سفر میں ایک طرف مسلمانوں کے دینی مراکز کو دیکھ کر قلب و روح کو سکون حاصل ہوا، دوسری طرف وہاں کے قدرتی مناظر نے نگاہوں کو شاد کام کیا، اس سفر میں دو ایسی باتیں میرے سامنے آئیں، جو کسی بھی ملک میں بسنے والی مسلمان اقلیتوں کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ایک: مکاتب کا نظام، جو جمعیت علماء سری لنکا کے تحت ہے، یہ جمعیت اس ملک میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے انداز کا پلیٹ فارم ہے، جس میں تمام مکاتب فکر اور تنظیمیں جمع ہیں، انہوں نے یہاں مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے منظم اور منصوبہ بند نظام مکاتب کا قائم کیا ہے، جس کا کورس دس سال کے عرصہ پر مشتمل ہے، اس نصاب میں دین کی تمام بنیادی باتیں آگئی ہیں اور کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ اختلافی باتوں سے محفوظ رہے، اسی

ابھی ہفتہ عشرہ پہلے راقم الحروف کو پہلی بار سری لنکا کا سفر کرنے کا موقع ملا، اس سفر کی دعوت اگرچہ دو سال پہلے ہی ملی تھی، لیکن تکنیکی غلطی کی وجہ سے اس وقت حیدرآباد ایئر پورٹ سے واپس آنا پڑا، پھر رمضان المبارک سے دو ماہ پہلے سری لنکا کے علماء اور تجار کا ایک وفد آیا اور مورخہ ۱۸ جولائی ۲۰۱۷ء کی تاریخ سفر کے لئے طے ہوگئی، لیکن رمضان المبارک سے کچھ پہلے وہاں بودھا انتہاپسندوں کی طرف سے مسجد اور مسلمانوں کی الماک پر حملہ کا کچھ ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ ڈر ہونے لگا کہ خدا نخواستہ یہاں بھی برما کی سی صورت حال نہ پیدا ہو جائے، اس لئے فی الحال سفر کی امید جاتی رہی، مگر رمضان المبارک کے اخیر ایام میں وہاں کے احباب کے اس قدر فون آنے لگے کہ انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی، بہر حال حیدرآباد سے براہ چٹنی ۱۸ جولائی ۲۰۱۷ء کو کولمبو پہنچا، خیال تھا کہ وہاں مسلمان اچھی حالت میں نہیں ہوں گے، خوف و ہراس ہوگا، گھبراہٹ اور بے اطمینانی ہوگی، مسلم آبادیوں پر غربت اور پسماندگی کا سایہ ہوگا، مسلمانوں کے گھر لئے پٹے ہوں گے، اسی اندیشہ کے ساتھ میں نے اس نسبتاً چھوٹے سے ملک میں قدم رکھا، جو جنوبی ہند سے لگا ہوا ہندوستان کا قریب

جائے، تب بھی یہ تعداد پانچ کروڑ ہو جاتی ہے، اس لئے بظاہر ان سب کو مکتب سے جوڑنا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ ہندوستان میں بہت سے علاقوں میں مکاتب کا نظام پہلے سے قائم ہے، گاؤں گاؤں مسجدیں موجود ہیں اور مساجد میں ایسے ائمہ و موزنین مقرر ہیں، جو بنیادی دینی تعلیم انجام دینے کے لائق ہوتے ہیں، نیز علاقہ میں ایسے مدارس بھی موجود ہیں جو اپنے مضامات میں مکاتب کے نظام کی نگرانی کر سکیں، یہاں اگر اس کی منظم کوشش کی جائے، خاص کر مدارس مقامی مسلمانوں کی مدد سے حسب ضرورت مکاتب قائم کریں تو یہاں بھی دس سال میں مکاتب کے اس نظام کو پورے ملک میں پہنچایا جاسکتا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسا نظام تعلیم لانے کی کوشش کی جا رہی ہے جو بچوں کو مشکرانہ افکار سے قریب کر سکے، ہندو یووالائی کہانئوں پر ان کا یقین قائم ہو جائے، اسلام اور مسلمان کی تاریخ کو محض کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس صورت حال کا علاج اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ نظام مکاتب کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ ہر مسلمان بچہ بنیادی دینی تعلیم حاصل کر لے، مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کا مسئلہ نہ سیاسی کوششوں سے حل ہوگا نہ مسلمانوں کی معاشرتی ترقی سے، اس کا حل ایسی بھرپور جدوجہد میں ہے کہ کوئی مسلمان بنیادی دینی تعلیم سے محروم نہ رہ جائے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ سری لنکا میں حالیہ رمضان المبارک کے شروع میں نہایت

یہی تباہ کن سیلاب آیا، یہ ایسا سیلاب تھا جس نے پوری پوری بستی کو اجاڑ دیا، اس موقع پر مسلمانوں نے دل کھول کر متاثرین کی مدد کی، اپنے اپنے گھروں کے ساتھ ساتھ مدرسے اور مسجدیں بھی برادران وطن کے لئے کھول دیئے، لوگوں پر اس کا غیر معمولی اثر ہوا، ہندوستان میں جیسے آر ایس ایس نفرت کے پودے لگانے کا کام کرتی ہے، اسی طرز پر وہاں بودھ انتہاپسندوں کی تنظیم بی۔بی ایس قائم ہے، جس نے پورے ملک میں نفرت کی آگ سلگا رکھی تھی، اس ہنگامی صورت حال میں مسلمانوں کی خدمت سے متاثر ہو کر عوام نے ان نفرت کے سوداگروں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور فضا یکسر تبدیل ہو گئی، ملک کی وزیراعظم نے اپنے خطاب میں کہا کہ تم لوگ مسلمانوں کے ساتھ ایسی زیادتی کرتے تھے، لیکن اس مشکل وقت میں انہوں نے تمہاری ایسی مدد کی ہے کہ تم نے خود بھی اپنے لوگوں کی ایسی مدد نہیں کی، اس تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کی مسلم تنظیموں نے طے کیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں مزید کوشش کریں گے، خدمت اور اخلاق کے ذریعہ..... انشاء اللہ..... نفرت انگیز فضا کو تبدیل کریں گے، یقیناً مسلمان اقلیتوں کے لئے ہر جگہ یہی عمل نسخہ کیسیا کا درجہ رکھتا ہے، اسلام نے اخلاق کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو فتح کرنے کی دعوت دی ہے، مسلمانوں کو اسی وصف نے بہت کم عرصہ میں دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا اور پھر وہ جہاں بھی پہنچے، لوگوں کے محبوب بن کر رہے، نہ کہ مبعوض اور سماج میں ہر لحاظ پر شمار کئے گئے نہ کہ تاپسندیدہ۔

اسلام نے تصور دیا ہے کہ تمام انسان انسانیت

رشتہ سے بھائی بھائی ہیں، کیونکہ تم انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ (النساء:۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب کا خدا بھی ایک ہے اور تم سب کے باپ بھی ایک ہیں آلا ان ربکم واحد وان ابلکم واحد (رواہ بیہقی فی شعب الایمان، حدیث نمبر: ۵۱۳۷)

حضرت زید بن ابرم رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ کے تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۵۱۰) ایک موقع پر ارشاد فرمایا گیا: جو انسان پر رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا، من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ (مسلم حدیث نمبر: ۲۳۶۹) غرض کہ اسلام میں انسانی اخوت کا رشتہ بلا امتیاز مذہب تمام لوگوں کو ایک ڈوری میں باندھتا ہے، کفر و شرک اگرچہ اسلام کی نظر میں قطعاً ناقابل قبول عمل ہے، لیکن اس پر گناہ اور پکڑ کا تعلق آخرت سے ہے نہ کہ دنیا سے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں جب کہ فرقہ پرست طاقتیں نفرت کی آگ سلگا رہی ہیں، ہمارے لئے اس کا علاج یہی ہے کہ ہم اخلاق اور محبت کے ذریعہ اس پروپیگنڈہ کو بے اثر کر دیں اور غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ اپنے سماجی تعلقات بہتر بنانے کی تیز تر کوشش کریں، نیز اپنے مذہبی اور تہذیبی تشخص کی حفاظت کرتے ہوئے برادران وطن کے ساتھ تعلق کو استوار کریں، بھجواؤ مسلم تنظیمیں اس کی طرف متوجہ ہوئی ہیں، لیکن ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے طور پر بھی اس کام کو انجام دے، تاکہ سماج میں غلطی سطح سے خوشگوار تعلقات قائم ہوں اور پورا ملک امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

نماز میں خشوع و خضوع سوانح و تدابیر

قربت اور اس کی محبت کا فیضان نصیب ہوتا ہے، اسی لئے قرآن و حدیث میں خشوع و خضوع کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے اور مختلف پیرایوں میں مسلمانوں کو خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ مؤمنون کے آغاز میں فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہونے والے مومنین کے جہاں دیگر اوصاف ذکر کئے ہیں وہیں ان کا سب سے پہلا وصف ذکر فرمایا کہ یہ لوگ خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ
فَإِنْ صَلَّوْا تَيْمَّمُوا حَاشِعُونَ)
(المؤمنون: ۱-۲) ”مومن لوگ فلاح پا گئے، جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔“

ایک دوسری جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ان کے لئے نماز کی پابندی کرنا بہت آسان ہے اور جو لوگ خشوع و خضوع کے بغیر نماز پڑھتے ہیں ان کے لئے نماز کی پابندی اور اس پر جماؤ و استقلال بہت مشکل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ،
وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ)۔

(البقرہ: ۲۳۵) اور صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو، بے شک نماز بھاری ہے مگر خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والوں پر۔

ایک مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ

طرح ہے جس میں روح نہ ہو، یا اس پھول کی طرح ہے جس میں خوشبو نہ ہو، یا اس پھل کی طرح ہے جس میں مزہ اور ذائقہ نہ ہو، خشوع کا تعلق انسان کے قلب اور اس کے ظاہری اعضاء دونوں سے ہے، خشوع قلب سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ کے سامنے عجز و انکساری کا مجسم بیکر بن جائے اور اللہ کی عظمت و بزرگی اور اس کا خوف قلب و دماغ پر چھا جائے اور ظاہری اعضاء کے خشوع کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کے اندر انسان کی حرکات و سکنات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہو جائیں، نگاہ پست ہو جائے، آواز دب جائے اور پورا جسم محبت و معرفت کے رنگ میں رنگ جائے، اول الذکر کو خشوع اور موخر الذکر کو خضوع کہا جاتا ہے۔

خشوع و خضوع کی اہمیت

نماز کے اندر خشوع و خضوع چونکہ ایک مرکزی اور کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور اس وصف کے ساتھ نماز ادا کرنے سے اللہ کی

نماز خالق و مخلوق کے مابین تعلق و ارتباط کا ذریعہ ہے، یہ مسلمانوں کی معراج اور ان کی آنکھوں کی شہنشاہ ہے، نماز انسان کے اخلاق و رجحانات پر مثبت اثرات ڈالتی ہے اور باہمی اتحاد و تنظیم میں اہم کردار ادا کرتی ہے، نماز قلب و نظر کو پاکیزگی اور فکر و خیال کو سرسبز و شادابی بخشتی ہے اور ایک صالح، مثالی اور خوشگوار معاشرہ کی تعمیر کرتی ہے، نماز وہ عظیم الشان عبادت ہے جس میں مسلمانوں کی فلاح و کامیابی مضمر اور پوشیدہ ہے اور سارے مصائب و پریشانیوں کے لئے نسخہ اکسیر ہے۔

خشوع و خضوع کا مفہوم

چاند سورج کی طرح یہ بھی ایک سدا بہار حقیقت ہے کہ نماز کے اندر جان اور قوت اسی وقت پیدا ہوتی ہے کہ جب کہ اس کو مکمل خشوع و خضوع اور پورے آداب و سنن کے ساتھ ادا کیا جائے، خشوع و خضوع کے بغیر پڑھی جانے والی نماز کی مثال اس جسم کی

الْوَسْطَى، وَقَوْلُهُمَا اللَّهُ قَبِيْتَيْنِ)
(البقرة: ۲۳۸) تم نمازوں بالخصوص درمیانی
نماز کی پابندی کرو اور اللہ کے سامنے عاجزی و
انکساری کے ساتھ کھڑے ہو۔

ایک روایت میں حضرت عثمان بن
عقمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان فرض
نماز کا وقت آنے کے بعد اچھی طرح وضو کرتا
ہے اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتا
ہے اور اس میں رکوع بھی اچھی طرح کرتا
ہے تو جب تک کوئی گناہ کبیرہ نہ کرے یہ نماز
اس کے لئے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی
ہے۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت اس
طرح پڑھتا ہے کہ اس کا دل اللہ کی طرف
متوجہ رہے اور اس کے اعضاء پرسکون رہیں تو
ایسے شخص کے لئے جنت واجب ہو جاتی
ہے۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۹۰۶)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ
بندے کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتے ہیں
جب تک کہ بندہ نماز میں کسی اور طرف متوجہ نہ
ہو۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۹۰۹)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سب سے پہلے لوگوں سے جن چیزوں کا علم
اٹھایا جائے گا وہ خشوع کا علم ہے، عنقریب مسجد

میں بہت سے لوگ آئیں گے تم ان میں سے
کسی کو خشوع والا نہیں پاؤ گے۔ (ترمذی،
حدیث نمبر: ۲۶۵۳)

شیطان لعین کی کوشش

نماز چونکہ خالق و مخلوق کے مابین تعلق
اور رشتہ کو استوار کرتی ہے، اسی لئے انسان کا
ازلی دشمن اور راہ حق کا راہ زن، ہمیشہ انسان کو
اس کے خالق اور منعم حقیقی سے دور کرنے کی
فکر میں لگا رہتا ہے اور نماز کی راہ میں
رکاوٹ ثابت ہوتا ہے، اگر وہ اس میں
ناکام و نامراد ہو جاتا ہے تو پھر نماز میں
انسان کے خشوع و خضوع میں خلل ڈالتا ہے
اور اس کے قلب و دماغ کو دنیوی خیالات
کی آماجگاہ بنا دیتا ہے اور ہر حیلے اور وسائل
سے وہ عابد و معبود کے مابین مضبوط اور
پائیدار رشتہ قائم ہونے سے روکتا ہے۔

موانع خشوع

شیطان کو یہ موقع اس وقت باسانی
فراہم ہو جاتا ہے جب کہ انسان نماز کے
حوالہ سے غفلت شعار اور کوتاہ واقع ہوا ہو،
مثلاً وقت پر نماز ادا نہ کرنا، جماعت اور تکبیر
تحریرہ کا اہتمام نہ کرنا، فرض نماز سے پہلے اور
بعد کی سنتوں کی ادائیگی میں سستی و سہل
انگاری برتنا، طہارت و پاکیزگی کا خیال نہ
کرنا، رزق حلال کا اہتمام نہ کرنا۔ یہ وہ
اسباب و عوامل ہیں جو نماز میں خشوع و خضوع
کے لئے مغلث ثابت ہوتے ہیں، ان خارجی و
بیرونی اسباب کے علاوہ کچھ داخلی و اندرونی

اسباب بھی ہیں جو نماز میں خشوع و خضوع
کے لئے سد راہ ثابت ہوتے ہیں، مثلاً سنن و
آداب کی رعایت کئے بغیر نماز ادا کرنا، قواعد
تجوید اور مخارج حروف کی رعایت کئے بغیر
قرأت کرنا، جلدی جلدی نماز پڑھنا اور یہ
ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جب بندہ
بغیر خشوع و خضوع کے نماز ادا کرتا ہے تو وہ
نماز کو ایک ناقابل برداشت بوجھ سمجھتا ہے
اور جلد سے جلد اس بوجھ کو اتارنے کی فکر
اسے دامن گیر ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں
نماز کے آداب و مستحبات کی رعایت نہیں
کر پاتا اور فرض سے پہلے اور بعد کی سنن
مؤکدہ میں بھی سستی اور سہل انگاری برتنا ہے
اور نماز جیسی عظیم الشان عبادت کو بوجھ اور وبال
جان سمجھ کر ادا کرنے سے اگرچہ نماز ادا ہو جاتی
ہے، لیکن وہ نماز اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے
مقام کو نہیں پہنچتی ہے، اسی لئے نماز کے اندر
خشوع و خضوع پیدا کرنا ناگزیر ہے۔

تدابیر خشوع

ذیل میں وہ تدابیر ذکر کی جا رہی ہیں
جن کو اختیار کرنے سے نماز کے اندر خشوع و
خضوع حاصل ہوتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ
سے مناجات و سرگوشی کی لذت نصیب ہوتی
ہے، عبادت میں لطف اور مزہ آتا ہے، اور
مستقل ایسی نماز پڑھنے سے محبت و عرفان
کے مدارج تیز گامی سے طے پاتے ہیں اور
انسان کی زندگی پر گہری چھاپ پڑتی ہے:

○..... بندہ جب نماز ادا کرنے کا ارادہ

کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اچھے طریقے سے پاکی حاصل کرے اور اس بات کا اطمینان کر لے کہ اب پیشاب کے قطرے نہیں آئیں گے، کیونکہ جب تک یہ اطمینان حاصل نہ ہو اس وقت تک خیالات منتشر رہیں گے اور بار بار یہ خیال آتا رہے گا کہ کہیں پیشاب کا قطرہ تو نہیں آیا، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں انسان کو نماز میں خشوع و خضوع حاصل نہیں کر سکتا۔

○..... ایک حدیث شریف میں ہے: جب مومن بندہ وضو میں کھلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے تو جو گناہ اس کے منہ اور اس کے ناک سے سرزد ہوئے وہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے جو گناہ سرد ہوئے وہ دھل جاتے ہیں، حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کے کنارے سے نکل جاتے ہیں، جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے ہونے والے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب سر کا مسخ کرتا ہے تو سر سے ہونے والے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے پیروں کو دھوتا ہے تو پیر سے ہونے والے گناہ دھل جاتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اس کے پیر کے ناخنوں سے نکل جاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۸۲) چنانچہ جب بندہ مومن اپنے چہرے، ہاتھ اور پیر کو دھوئے تو اسے چاہئے کہ اپنے دل میں یہ تصور بٹھائے کہ اعضائے وضو کو دھونے سے میرے گناہ دھل رہے ہیں اور میں گناہوں سے پاک صاف ہو کر اللہ جل شانہ کے دربار میں حاضر

ہو رہا ہوں۔

○..... نماز سے پہلے صاف ستھرا لباس زیب تن کریں، اور عطر میسر ہو تو اسے بھی مل لیں، ذرا سوچئے کہ جب ہمیں کسی تقریب اور پارٹی میں جانا ہو تو کس طرح اہتمام سے تیار ہوتے ہیں اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر نفیس اور عمدہ قسم کی خوشبو لگا کر نکلتے ہیں تو جب ہم احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں، اپنے خالق و مالک اور منعم حقیقی کی بارگاہ میں آتے ہیں تو معمولی قسم کے کپڑے پہن کر حاضر ہونا اور صفائی ستھرائی کا اہتمام نہ کرنا کتنی غفلت اور بے توجہی کی بات ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ صاف ستھرے کپڑے پہننے سے اور خوشبو لگانے سے طہانیت قلب نصیب ہوتا ہے، یکسوئی اور دلجمعی نصیب ہوتی ہے۔

○..... مسجد میں آنے سے پہلے خود کو ان چیزوں سے فارغ کر لیں جو تشویش کا باعث بن سکتے ہیں، مثلاً اگر سخت بھوک لگی ہوئی ہو، یا تقضائے حاجت کا تقاضا ہو تو مسجد آنے سے قبل اس سے فارغ ہو جائیں، پھر نماز کے لئے ایسی جگہ تلاش کریں جو پرسکون ہو اور شور و شغف سے دور ہو، جماعت کے لئے ایسی مسجد کا انتخاب کریں جہاں خوش الحان امام ہو اور وجد آفریں آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوں۔

○..... مسجد میں جماعت سے کم از کم دس منٹ پہلے پہنچنے کا التزام کیا جائے اور فرض نماز سے پہلے کی سنن خواہ مؤکدہ ہوں یا غیر

مؤکدہ ادا کیا جائے اور باقی اوقات ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن کا اہتمام کیا جائے، فرض نماز سے پہلے جب انسان اس طرح خود کو تیار کر لے گا اور اس کا سارا دھیان اللہ کی طرف ہو جائے گا تو فرض نماز ان شاء اللہ خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے گا اور اس کو دنیاوی خیالات پریشان نہیں کریں گے۔

○..... نماز شروع کرنے سے قبل اللہ کی عظمت و کبریائی کا تصور اپنے ذہن میں بٹھائیں اور دل میں اپنے محبوب حقیقی کی محبت اور اس کے انعامات و نوازشات کی یاد تازہ کریں کہ اسی ذات نے مجھے انمول جسم عطا کیا اور صحت و عافیت کی بیش بہا دولت سے مجھے مالا مال کیا اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے قبل حیا اور شرمساری کا خیال دل میں لائے کہ میرے گناہ اور خطائیں اتنی ہیں کہ مجھے روئے زمین پر زندہ رہنے کا حق حاصل نہیں ہے، لیکن اللہ نے میرے ساتھ عنود کریم کا معاملہ فرمایا اور مجھے توبہ کا موقع دیا۔

○..... نماز میں جو الفاظ زبان سے ادا کر رہے ہیں اس پر دھیان جمایا جائے اور اس کے معانی و مفہام میں غور کیا جائے اور ذہن میں یہ تصور بٹھائیں کہ میں اللہ جل شانہ کے سامنے کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن دونوں کو دیکھ رہے ہیں اور ہر کن کو اطمینان کے ساتھ اور پورے آداب کی رعایت کرتے ہوئے ادا کیا جائے۔

❖ ❖ ❖

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

کے سترے واقعات

اللہ علیہ وسلم سے جاملوں۔ بیویوں کو حکم دیا کہ فوراً زادراہ کا اہتمام کرو۔

قارئین کرام! جو کہ مدینہ طیبہ کے شمالی جانب ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دونوں بیویوں نے زادراہ تیار کیا۔ یہ کم و بیش دس بارہ دن کا سفر تھا۔ ان کا اونٹ لایا گیا۔ انہوں نے اس پر کجاہہ کسا، زادراہ رکھا، اونٹ کی مہار پکڑی اور جو کہ کی راہ لی۔

ابوہیشمہ کی خوش قسمتی کہ دوران سفر انہیں راستے میں عمیر بن وہب مل جاتے ہیں۔ وہ بھی کسی وجہ سے لیٹ ہو گئے تھے۔ اتنے لمبے سفر میں کوئی ساتھی مل جائے تو راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں منزلوں پر منزلیں مارتے، جلد از جلد جو کہ کی طرف سفر کر رہے تھے۔ ابوہیشمہ کی دل میں ایک شک تھی، انہیں اپنی غلطی کا احساس تھا کہ میں مدینہ طیبہ سے اسلامی لشکر کے ساتھ کیوں نہیں نکلا۔ جو کہ کے قریب پہنچے تو اپنے ہمراہی سیدنا عمیر بن وہب سے کہنے لگے: بھائی! میں نے ایک گناہ کا کام کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اکیلا ہی بارگاہ نبوی میں حاضری دوں، لہذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ تھوڑا سا پیچھے رہ جائیں۔ میرے بعد آپ حاضری دیں۔

سیدنا عمیر بن وہب نے ان کی بات مان لی اور تھوڑا پیچھے رہ گئے۔ ابوہیشمہ کے ذہن میں تھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر کی وجہ سے میری سرزنش کریں گے، مجھے ڈانٹ پڑے گی، لہذا مجھے کیلے

چھڑکاؤ کیا۔ ٹھنڈے پانی کے اہتمام کے ساتھ ساتھ مزید رکھانا تیار کیا۔ دونوں اپنے اپنے چھپرے میں ابوہیشمہ کا انتظار کر رہی ہیں۔ ابوہیشمہ جب اپنے باغ میں پہنچے تو دونوں بیویوں نے ان کو دعوت دی کہ وہ ان کے چھپرے میں آئیں۔ ان کے ہاں استراحت کریں۔ ابوہیشمہ چھپرے کے دروازے پر پہنچے تو رک گئے۔ اس دور میں عربی (ہوا اور چھپرے) خصوصاً گرمیوں کے موسم میں بڑی آرام دہ جگہ ہوتی تھی۔ عربی میں مزید رکھانے ٹھنڈا پانی اور حسین بیوی نظر آ رہی تھی۔

اچانک انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ گئے، آپ کی محبت، ان کے ساتھ پیار، کہنے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو دھوپ، گرم ہوا اور لو برداشت کر رہے ہوں، جب کہ ابوہیشمہ ٹھنڈے سائے تلے ہو اور عمدہ کھانوں سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ بیویوں سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں تم دونوں میں سے کسی کے ”عربش“ میں داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی

محبوب مشقت میں ہو تو محبت کو آرام کیسے آئے؟

ابوہیشمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان کا نام مالک بن قیس تھا۔ وہ کوئی بہت زیادہ معروف اور نمایاں شخص تو نہ تھے، مگر ان کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شاید محبت کرتے تھے۔ یہ محبت کوئی یکطرفہ نہ تھی بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے خوب محبت کرتے تھے۔ غزوہ تبوک ۹ ہجری میں ہوا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لئے روانہ ہو چکے ہیں مگر ابوہیشمہ کسی وجہ سے لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہو سکے۔ ایک دن، دو دن بلکہ کئی دن گزر چکے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں وہ دن خاصا گرم تھا۔ ابوہیشمہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں اپنے باغ میں گئیں۔ وہاں اپنا اپنا عربش یعنی چھپرے بنایا۔ اس میں پانی کا

میں بارگاہ رسالت مآب میں پہنچنا چاہئے۔

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہوک پہنچ کر پڑا ڈال چکے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ دور سے کوئی سوار آ رہا ہے۔ آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ کون ہو سکتا ہے؟

قارئین کرام! اسے محبت اور پیار کہتے ہیں کہ تیس ہزار کا لشکر ہے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھئے کہ آپ کو اپنے ایک ایک ساتھی کا خیال ہے، اس کے بارے میں معلومات ہیں کہ کون ساتھ آیا ہے اور کون پیچھے رہ گیا ہے۔ ابوخیثمہؓ بھی سچے صحابی تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے ساتھیوں کی زبانی سنا کہ ایک سوار آ رہا ہے تو آپ ارشاد فرما رہے ہیں: (کن ابایثمہ) ”ابوخیثمہ ہی ہو۔“ یہ ایک عربی اسلوب ہے جس کا معنی ہے: آنے والا اللہ نے چاہا تو ابوخیثمہ ہی ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ الفاظ نکلے، ادھر وہ سوار اور قریب آ گیا۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا، ان کو پہچان لیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اللہ کے رسول! آنے والا ابوخیثمہ ہی ہے۔ ادھر ابوخیثمہؓ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا تو بڑے شوق اور محبت سے تیز قدموں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آ کر سلام عرض کیا۔

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آمد کی خوشی میں فرما رہے ہیں: ”ابوخیثمہ! تمہارا آنا ہی بہتر تھا۔“

ابوخیثمہؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے حالات کہہ سنائے کہ وہ کیونکر تاخیر کا شکار ہوئے۔ کس طرح ان کی بیویوں نے ان کے استقبال کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ سفر کی صعوبتیں، سفر میں کتنے دن لگے اور کیسے وہ یہاں پہنچے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کی پرخطر داستان کو سنتے ہیں تو اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھالیتے ہیں اور ابوخیثمہؓ کے لئے خیر اور بھلائی کی دعا مانگتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ابوخیثمہؓ مالک بن قیس نے اس واقعہ کے حوالے سے بڑے

خوبصورت اشعار بھی کہے۔ ڈاکٹر علی محمد صلابی نے اس واقعے پر اپنے تبصرے میں لکھا ہے کہ مسلمان زندہ ضمیر ہوتا ہے۔ جب ابوخیثمہؓ نے تازہ کھانا، ٹھنڈا پانی، ٹھنڈی چھاؤں، بہتر رہائش، خوبصورت بیویوں کے ساتھ پرسکون اور خوشحال زندگی کا رسول اللہ کے سفر، دھوپ، گرمی اور تکلیفوں سے موازنہ کیا تو ضمیر جاگ اٹھا اور وہ فوراً نکل پڑے۔

اپنی کوتاہی کا تدارک کیا اور تہوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل کی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوخیثمہؓ انصاری کو پہچان لینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی عادات و خصائل سے خوب واقف تھے۔ آپ کو اپنے ساتھیوں کے بارے میں وسیع معلومات تھیں۔ یہ دلیل ہے

کہ آپ ان کے انتہائی قریب تھے، گھل مل جاتے تھے، ان کی باتیں سنتے اور اپنی سناتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۷۶۹، والسیرة النبویة لابن ہشام: ۱۶۳/۳، والہدایة والنہایة: ۸۶۰/۳، والسیرة النبویة للصلابی: ۶۰۷-۶۱۰)

قارئین کرام! کسی بھی قائد کی اعلیٰ خوبیوں اور اعلیٰ اخلاق میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ وہ اپنے ایک عام ساتھی کا بھی خیال رکھتا ہو۔

میں تو دنیا میں ایک راہ چلتے مسافر کی طرح ہوں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی پر اگر غور و فکر کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ کے لئے دنیا بھر کی دولت سمیٹ دی جاتی مگر آپ نے نہ صرف گھر سے باہر بلکہ گھر کے اندر اور بھی نہایت سادہ زندگی گزاری۔ آئیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک میں دیکھتے ہیں کہ آپ کا بستر کیا تھا؟

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جس پر آپ سویا کرتے تھے رنگا ہوا چمڑا تھا جس میں گھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۶۳۵۶)

ایک مرتبہ سیدنا عمر بن خطابؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ان سے ملنے کے لئے جاتے ہیں۔ دروازے پر آپ کا ایک غلام بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے کہنے لگے:

میرے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرو۔ غلام اندر گیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ دروازے پر عمر بن خطاب ہیں جو اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشد فرمایا: جاؤ عمر سے کہو کہ اندر آجائے۔ سیدنا عمر فاروق اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ کعبہ کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک ٹکڑی تھا جس میں کعبہ کی چھال بھری ہوئی تھی۔

قارئین کرام! اوپر والا جو واقعہ آپ نے پڑھا۔ اسے امام بخاریؒ نے حدیث نمبر ۵۸۴۳ میں نقل کیا ہے۔ مگر آئیے اسی طرح کا ایک اور واقعہ پڑھتے ہیں جو امام بخاریؒ نے حدیث نمبر ۴۹۱۳ اور امام مسلمؒ نے حدیث نمبر ۱۴۷۹ میں نقل کیا ہے جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ امام الانبیاء سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کسی قدر سادہ تھی۔

سیدنا عمر بن خطاب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کے گھر میں حاضر ہوتے ہیں۔ (واضح رہے کہ عمر بن خطابؓ کی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ تھیں) انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ کی تنگی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چٹائی پر کوئی چادر، یا پھوننا نہ تھا۔ سر مبارک کے نیچے چمڑے کا ٹکڑی تھا جس میں کعبہ کی چھال بھری

ہوئی تھی۔ آپ کے پاؤں کے پاس کبکیر کے چوں کی ایک گٹھری پڑی تھی۔ آپ کے سر کے پاس چند چمڑے لٹک رہے تھے۔ آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات تھے۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ سارا منظر دیکھا تو بے اختیار رونے لگے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمر روتے کیوں ہو؟ جواب میں عرض کیا: اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و عشرت میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہونے کے باوجود کس قدر عسرت اور سادگی سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قارئین کرام! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: عمر! کیا تم اس بات پر مطمئن نہیں کہ انہیں دنیا ملی ہے اور ہمیں آخرت ملے گی۔

آئیے اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے بارے میں تفصیلات آپ کے مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے سنتے ہیں:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی چٹائی پر سوئے۔ آپ کے جسم پر چٹائی کے نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں اجازت کیوں نہیں دی کہ ہم آپ کے نیچے نرم بستر بچھا دیتے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال بس ایسے ہیں جیسے ایک سوار

شدید گرم دن میں روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے ایک درخت کے سائے تلے ٹھوڑی دیر آرام کیا، پھر اٹھا اور سایہ چھوڑ کر چلا گیا۔ (جامع الترمذی، حدیث: ۷۷۷۷: ۲۳)

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرانے خستہ حال پالان والی اونٹنی پر چڑھ گئے۔ آپ کے جسم اطہر پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔

(سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۸۹۰)

آؤ سب لوگ جا بڑ کے گھر چلیں

غزوہ خندق کے دوران خندق کی کھدائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود حصہ لیا۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں قہر و فاقہ تھا۔ بعض اوقات پورا دن کھائے پئے بغیر گزر جاتا۔ اس کے باوجود صحابہ کرام بڑے جوش و خروش سے خندق کی کھدائی کر رہے ہیں۔ مٹی اٹھا اٹھا کر خندق کے کناروں کو مضبوط بنا رہے ہیں۔ رجز پڑھ رہے ہیں۔ عبداللہ بن رواحہؓ کی خوبصورت اور شیریں آواز بلند ہو رہی ہے۔

اللهم لولا انت ما اهتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
”اے اللہ! تو اگر ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم نہ صدقہ و خیرات کرتے نہ ہی نمازیں پڑھتے۔“

بعض اشعار کو لبا کر کے پڑھ رہے ہیں۔ ساتھیوں میں جوش و خروش مزید بڑھ گیا ہے۔ وہ آگے بڑھ بڑھ کر زمین کھود رہے ہیں۔

اچانک ایک اور صحابی بلند آواز سے اشعار پڑھتے ہیں تو دوسرے بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ خندق کی فضا گونج رہی ہے۔

نحن الذين بايعوا محمدا على الاسلام ما بقينا ابدا
”ہم تو وہ لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر چکے ہیں جب تک جان میں جان ہے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔“
صحابہ کرام کبھی لفظ اسلام کی جگہ جہاد بھی کہہ دیتے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں فرما رہے ہیں:

اللهم لا عيش الا عيش الآخرة
فانكدم الانصار و المهاجرة
”اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔“

صحابہ کرام اپنے کمانڈر ان چیف، اپنے پیارے اور محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے یہ کلمات، یہ خوشخبری والے دعائیہ اشعار سنتے تو ان کے حوصلے بڑھ جاتے۔ کھدائی کے دوران چٹانیں بھی آتیں کہ ساری زمین ہی پتھریلی ہے۔ چھوٹی موٹی چٹانوں کو صحابہ کرام خود ہی توڑ لیتے۔ مگر ایک دن کھدائی کے دوران ایک بھاری چٹان آ جاتی ہے۔ صحابہ کرام نے اسے توڑنے کی کوشش کی مگر وہ ٹوٹ نہیں رہی۔ کھدائی کا کام تھوڑی دیر کے لئے رک گیا ہے۔ صحابہ کرام مل کر کوشش کر رہے ہیں مگر وہ

چٹان بڑی ہی مضبوط تھی۔

قارئین کرام! آپ کو تو معلوم ہے کہ میدان جنگ میں جب کوئی مسئلہ یا رکاوٹ پیش آ جائے تو اعلیٰ کمانڈر سے رابطہ کیا جاتا ہے اور یہاں تو اعلیٰ کمانڈر خود مسلسل موقع پر موجود ہیں۔ صحابہ کرام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! فلاں جگہ ایک چٹان آگئی ہے جو کھدائی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: ”میں اسے توڑنے کے لئے خود اترتا

ہوں۔“ سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاریؓ جو اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: میں دیکھ رہا ہوں کہ بھوک کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ ادھر ہماری یہ کیفیت ہے کہ ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں کچھی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال ہاتھ میں لی، بسم اللہ پڑھ کر چٹان پر ماری تو بھر بھری ریت کا ٹیلا سا بن گئی۔

ادھر سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے ذہن میں ایک زرخیز منصوبہ بنا رہے ہیں۔ خندق میں شریک صحابہ کرام کو گھر جانے پر پابندی تھی۔ اگر کسی کو شدید مجبوری ہوتی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنی ضرورت یا مجبوری بیان کرتا تو اسے اجازت مل جاتی۔ جابر بھی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایک ضروری کام سے گھر جانا ہے، میں

اجازت چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور سیدنا جابرؓ اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔

جابرؓ اپنی اہلیہ سے مخاطب ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حالت دیکھی ہے، اس پر میں صبر نہیں کر پایا۔ نہ جانے کتنے دنوں سے آپ نے کچھ کھایا نہیں۔ پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھا ہوا ہے۔ بی بی! بتاؤ گھر میں کچھ کھانے کے لئے ہے؟

بی بی کہنے لگی: گھر میں تھوڑا سا جو اور ایک بکری کا بچہ ہے جسے ذبح کر کے گوشت پکایا جاسکتا ہے۔

جابرؓ نے بکری کے بچے کو ذبح کیا۔ بیوی نے جلدی سے جو چکی میں ڈال کر پینا شروع کر دیے۔ جب آٹا بن گیا تو خاتون نے اسے گوندھ کر تیار کر دیا۔ جابرؓ اور ان کی اہلیہ نے گوشت صاف کر کے ہانڈی میں ڈالا۔ چولہے میں آگ جلا کر پکنے کے لئے اس پر رکھ دیا۔

آٹا گوندھا جا چکا ہے۔ ابھی اس خیال سے روٹیاں پکانا شروع نہیں کیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو گرما گرم روٹی خدمت میں پیش کریں گے۔ جابرؓ کی اہلیہ بڑی محبت سے کھانا تیار کر رہی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر تشریف لانے والے ہیں تو یقیناً اس کے لئے گھر کی صفائی ہو رہی ہے۔ ادھر جابرؓ واپس خندق کی طرف چلے گئے ہیں۔ خندق

کے موقع پر پہنچے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چپکے سے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے تمہوڑا سا کھانا گھر میں تیار کروایا ہے۔ بس آپ دو ساتھیوں کو ہمراہ لے لیں اور میرے گھر کو شرف قدم بخشیں۔

آپ نے پوچھا: ”کھانا کتنا ہے؟“ میں نے بتایا۔ تو ارشاد فرمایا: ”بہت ہے اور عمدہ ہے۔“

قارئین کرام! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو ملاحظہ کریں کہ آپ نے اس دعوت کو اکیلے قبول نہیں کیا، نہ ہی چند ساتھیوں کو شامل کیا بلکہ خندق والوں کے لئے ایک اعلان ہوتا ہے: کھڑے ہو جاؤ۔ جابر کے گھر چلو، اس نے تمہاری دعوت کی ہے۔ ”اہل خندق! جابر بن عبد اللہ نے تمہارے لئے کھانا پکایا ہے۔ آؤ ان کے گھر چلیں۔“

جابر کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دعوت کا اعلان سنا تو بڑا پریشان ہوا۔ گھر میں کھانا تو تین چار افراد کا ہوگا مگر اہل خندق کی تعداد تو ایک ہزار ہے۔

مگر یہاں جس قائد کی قیادت میں کھدائی ہو رہی ہے، وہ دوسروں کو کھلا کر کھانے والے ہیں۔ اگر لوگوں کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں تو یہاں قائد اعلیٰ کے پیٹ پر بھی بندھا ہوا ہے۔ صحابہ نے جب دعوت کا پیغام سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ صفیں بنائیں اور جابر کے گھر کی طرف چل دیے۔

ادھر جابر تقرر کیا جھانگتے ہوئے لشکر سے پہلے اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ اہلیہ اللہ کے رسول کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہے۔ بیوی سے کہنے لگے: میں نے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دو تین ساتھیوں کو دعوت دی تھی مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سارے لشکر کو دعوت دے دی ہے۔ جابر کی بیوی نہایت سمجھ دار خاتون تھیں۔ کہنے لگیں: پھر آپ کس لئے پریشان ہو رہے ہیں؟ (اللہ ورسول اعلم)

ان حالات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔ مراد یہ تھی کہ لشکر کو دعوت تو انہوں نے دی ہے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے آنے سے پہلے جابر کے گھر کو روانہ ہوتے ہیں۔ جابر کو پہلے ہی یہ حکم دے کر بھیج دیا کہ اپنی بیوی سے کہنا: ”جب تک میں نہ آؤں، ہانڈی جو لمبے سے نہ اتارنا اور روٹی بھی تنور سے نہ نکالنا۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو گوشت والی ہانڈی تیار تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی اور لوگوں سے فرمایا: ”لوگو! آرام سے اندر آ جاؤ۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روٹیاں اتار اتار کر ان پر گوشت رکھ کر لوگوں کو دینے لگے۔ جابر سے فرمایا: دس دس آدمیوں کو بھیجئے آئیں اور کھانا لیتے جائیں۔ جب ہانڈی اور تنور سے کچھ لیتے تو ان کو ڈھانپ دیتے۔

لوگ آتے رہے، کھانا کھاتے رہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان میں کھانا بانٹتے رہے، لوگ سیر ہو کر کھاتے رہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بلندی اور عظمت کو ملاحظہ کریں کہ آپ نے اس وقت کھانا کھایا جب پورے لشکر نے کھانا کھالیا۔ لشکر کے ایک ہزار فوجیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا تو جابر سے ارشاد فرمایا: اب اہل مدینہ ہی باقی رہ گئے ہیں۔ تم کھانا کھا چکو تو باقی کھانا اپنے ہمسایوں اور دیگر اہل مدینہ طیبہ میں بھی تقسیم کر دیتا۔

جابر کہتے ہیں: ہم نے گوشت اور روٹیاں اپنے ہمسائے اور اہل مدینہ طیبہ میں بھی تقسیم کیں اور فرماتے ہیں:

”اللہ کی قسم! رات تک مدینہ طیبہ میں کوئی ایسا گھرانہ باقی نہ تھا جس میں اس گوشت اور جو کی روٹی سے حصہ نہ پہنچا ہو۔“

قارئین کرام! بلاشبہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا مگر یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا مظہر بھی ہے۔

آپ اپنے ساتھیوں سے کتنی محبت اور پیار کرتے تھے، ان کی تکالیف کو کس شدت سے محسوس فرماتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۴۰۹۸، ۴۱۰۰، ۴۱۰۱، ۴۱۰۲، صحیح مسلم، حدیث: ۲۰۳۹، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، الریحق المختوم، ص: ۳۱۶-۳۱۷، صحیح السیرۃ لابراہیم الاعلیٰ، ص: ۲۶۶-۲۶۷)

□□□

اسلامی تہذیب

قوموں کے ساتھ ہمیشہ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا، اور پوری آبادی کو لقمہ اجل بنا دیا جاتا تھا، رومی تہذیب کے جو ظلم اور سفاکی کے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں، ایسے ہی واقعات ایران کی تہذیب کی تاریخ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ خسرو پرویز، دارا، اور نوشیرواں کے واقعات وحشیانہ سلوک سے بھرے ہوئے ہیں، ایران کی تاریخ میں مذکور ہے کہ عرب اسیران جنگ سے انتقام لینے کے لئے ان کے شانوں میں سوراخ کر کے رسیاں پروئی جاتی تھیں، اور سب کو ملا کر باندھا جاتا تھا، یورپ میں افریقہ کے سیاہ فام لوگوں کے ساتھ جو مظالم کئے گئے ہیں وہ یورپ کی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، غلامی کا رواج تھا، اور غلاموں کو جانوروں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا، رنگ و نسل کی عصبيت پائی جاتی تھی، ہندوستان میں جو برہمن تھے، وہ غیر آریہ لوگوں کو ذلیل اور نجس سمجھتے تھے، اور ان کو برابر کا درجہ نہیں دیتے تھے، برہمنوں کا درجہ سب سے اونچا تھا، وہ شودروں کو انسان سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے، آریہ باہر سے آئے تھے، وہ شودروں کو اپنا رقیب اور دشمن سمجھتے تھے، اور برہمنوں کی کتابوں میں بھی یہ لکھا تھا کہ اپنے دشمنوں کا اچھی طرح قلع قمع کر دو تا کہ وہ سر نہ اٹھا سکیں

تفہیم، تعلیم اور تلقین کی گنجائش تو ہمیشہ موجود رہے گی، لیکن کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے شخص پر اپنے نظریہ اور خیال کو مسلط کرے، اور محض اختلاف عقیدے کی وجہ سے دوسروں سے بغض و عناد رکھے، اس لئے تعلقات میں بہتری اور خوش معاملگی اور خوش اخلاقی زندگی گزارنے کے بنیادی اصول ہیں۔

لیکن انسانی تاریخ میں محض اختلاف فکر و خیال اور اختلاف مذہب اور عقیدہ کی وجہ سے ظلم و تشدد کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ پوری دنیا کبھی کبھی جانوروں اور درندوں کی دنیا نظر آنے لگتی ہے، دنیا کی تہذیبوں میں رومی تہذیب اور تمدن کے ماننے والوں کے ایسے واقعات مذکور ہیں کہ انسانیت کی پیشانی بارندامت سے جھک جاتی ہے، اس تہذیب میں غلاموں اور غیر قوموں کی کوئی عزت نہیں تھی، انہیں درندوں کا لقمہ بنا دیا جاتا تھا، دوسری

انسان دنیا میں زندگی گزارتا ہے تو اس کے چاروں طرف تمام لوگ اس کے ہم مذہب، ہم عقیدہ، ہم خیال، ہم فکر اور ہم مزاج نہیں ہوتے، اسے اس ماحول میں زندگی گزارنی ہوتی ہے، اختلاف مذہب و مشرب کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اختلاف فکر و خیال کو انگیز کرنا پڑتا ہے، جس طرح سے گلہائے رنگارنگ سے زینت چمن ہوتی ہے، اسی طرح سے اختلاف فکر و خیال سے انسانی سماج خوبصورت ہوتا ہے، اس بات کی تو اجازت ہے بلکہ یہ بات پسندیدہ ہے کہ انسان جس مذہب و عقیدہ کو عزیز رکھتا ہے وہ اس کی تبلیغ بھی کرے، لیکن تشدد اور جارحیت کی کسی حال میں کسی اچھے سماج میں اجازت نہیں ہے، دنیا کے تمام لوگ کسی ایک نقطہ نظر اور نظریہ پر متفق نہیں ہو سکتے ہیں، یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ دنیا کے سارے لوگ ایک مسلک اور مذہب کے پابند ہو جائیں، انہماک اور

اور ان کو اس طرح مارو جیسے بلی چوہوں کو مارتی ہے اور ایک شور و گستاخی کرے تو اس کی زبان کاٹ لی جائے۔

دنیا کی تمام تہذیبوں میں عدم رواداری اور عدم تحمل کی تکلیف وہ صورت حال موجود تھی، کوئی ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتا تھا، اور شرافت اور انسانیت کا معاملہ شاذ و نادر پیش آتا تھا، عربوں میں معمولی معمولی بات پر جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تھی، اونٹوں کے چشمہ پر پانی پلانے اور جانوروں کے چرانے اور گھوڑا آگے نکالنے پر قیامت ٹوٹ پڑتی تھی اور کئی پشتوں تک لڑائی جاری رہتی تھی اور انتقام کی آگ اس وقت تک نہیں بجھتی تھی جب تک کہ دونوں متحارب قبیلے تباہ و برباد نہ ہو جائیں۔ عربوں کی مشہور لڑائی حرب بسوس تھی، جو بنی تغلب اور بنی بکر کے درمیان تھی، چالیس سال تک جاری رہی، بات اتنی معمولی تھی کہ بنی بکر کی اونٹنی بنی تغلب کی چراگاہ میں گھس آئی تھی، بنی تغلب کے ایک شخص نے جس کا نام کلیب تھا غصہ میں آ کر ایک تیر مارا جو اونٹنی کے تھن میں جا کر لگا، اونٹنی کے مالک نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو آواز دی، پھر دونوں قبیلوں میں ایسی جنگ چھڑ گئی، کہ جب تک دونوں تباہ نہیں ہو گئے تو واریں پیام میں نہیں گئیں، اسی طرح

سے ایک جنگ جو حرب فجار کے نام سے مشہور ہے ایک معمولی بات پر دو قبیلوں کے درمیان شروع ہوئی جس میں سیکڑوں انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔

یہ جنگ وجدال اور عدم رواداری کا ماحول پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، کیا روم اور کیا ایران، کیا عرب اور کیا عجم، ہر طرف خونریزی اور مزاجوں کی بے اعتدالی پائی جاتی تھی، یہ اسلام تھا جس نے پوری دنیا کو رواداری، انصاف، شرافت سے بہتر اور اعلیٰ سمجھنے کی وجہ سے پیش آتی ہے، اسلام نے یہ درس دیا تھا کہ ان اکر مکم عند اللہ انتقام۔ (الحجرات: ۱۳) یعنی تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اسلام نے رنگ نسل زبان، وطن، قومیت، ہر قسم کے تعصب کا خاتمہ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ان اللہ یحب المقسطین۔ (ممتحنہ: ۸) یعنی اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اسلام نے حسن سلوک کا عام حکم دیا، نیکی اور انصاف کے ڈگر پر چلنے کو صحیح راستہ قرار دیا، ار حکم دیا کہ اذفع بالتي هي احسن۔ (سجده: ۲۴) یعنی اے نبی تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انسانیت دوستی کی تعلیم دی، جنگ کی صورت حال

میں بھی حکم ہے۔ ولاتعدوا۔ (بقرہ: ۱۹) یعنی زیادتی نہ کرو، اور پھر حکم دیا گیا ہے کہ صلح کی درخواست رز نہ کی جائے، جنگ میں بھی فضلوں کو خراب کرنے، کھیتوں کو تباہ کرنے، بچوں اور عورتوں پر ہاتھ اٹھانے سے روکا گیا ہے۔ اسلام نے دنیا کی تہذیب بدل دی ہے، شرافت انسانیت، رحمہلی اور رواداری فیاضی اور سرچشمی کا مزاج پیدا کر دیا ہے، اسلامی تاریخ میں اس کے سیکڑوں واقعات ملیں گے، جو اس بات کا ثبوت ہوں گے کہ شرافت و انسانیت کی بہار جو دنیا میں آئی، وہ اسلام کی وجہ سے آئی۔ ایام جاہلیت میں پوری دنیا کا جو حال تھا اس کا تقابل اگر اسلامی عہد سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے دنیا کی تہذیب بدل دی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ کیا۔

رواداری اور تحمل کے علاوہ عدل و انصاف سخاوت اور فیاضی شجاعت اور حق گوئی اور بہادری شوق علم اور خوف خدا، ایثار و سادگی اور درویشی غرض تمام انسانی اخلاق و صفات کے پھولوں کا ایک بولتا ہوا چمن ہے جس سے تاریخ اسلام کا ایک طالب علم گزرتا ہے، اسلام نے اعلیٰ انسانی اوصاف کے پھولوں کی ایک نرسری زمین پر قائم کر کے دکھادی۔

□□□

شرف انسانیت کا معیار علم و فضل

اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کا راستہ بتاتا ہے۔

یہ وہ علم ہے جو نہ صرف انسانوں، بلکہ حیوانوں کے بھی حقوق بتلا کر ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے، وہ محبت و شفقت کرنے کا حکم دیتا ہے اور جو دیانت و صداقت، شجاعت و سخاوت، اخلاص و ایثار، قناعت و عفت جیسی صفات کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ علم اور اس کی تفصیلات چونکہ صرف انسان اپنی عقل کے بل بوتے پر حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے اس کی تعلیم کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا رہا اور قرآن کریم نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کے فرائض میں تعلیم کو بطور خاص ذکر فرمایا ہے، چنانچہ سید الانبیاء اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد باری ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔ (آل عمران: ۱۶۳)

”واقعی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب انہی میں سے ان میں ایک ایسا رسول بھیجا جو ان میں اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کی زندگی کو سنوارتا

نام آدم کو الہام کر دیئے۔“ اور اسی علم کی فضیلت کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجد ملا نہ بنا یا گیا۔ ارشاد باری ہے:

(وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ)۔ (البقرہ: ۳۴)

”اور جب ہم نے حکم دیا تمام فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کے سامنے تو ان سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے۔“

علم جو بھی ہو، جس سے انسانیت کی خدمت ہوتی ہو اسے فضیلت حاصل ہے، لیکن ان سب علوم میں افضل ترین علم وہ ہے جو علم دین یا علم شریعت کہلاتا ہے یا جسے وحی کا علم کہا جاتا ہے، جس علم کو سکھانے کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوتی ہے، وہ علم جو انسان کو اپنے رب کی معرفت سکھلاتا ہے، اس کی صفات کمال بتلاتا ہے اور اس کی عبادت کے طریقے اور

علم ایک روشنی اور نور ہے جو قدم قدم پر انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور اس کے سامنے صراطِ مستقیم کو واضح کرتا ہے۔

اسی علم کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد بنی آدم کو زمین میں خلافت نصیب ہوئی، ارشاد باری ہے:

(وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً)۔ (البقرہ: ۳۰)

”اور وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔“

اور اس خلافت کے لئے جن جن علوم کی ضرورت تھی وہ علوم حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیئے۔

(وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا)۔ (البقرہ: ۳۱)

”اور اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے

ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دینا ہے اور بلاشبہ اس رسول کی تشریف آوری سے قبل یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔“ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انما بعثت معلما۔** مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اسلام نے علم کو جو مقام و اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی سب سے پہلی وحی میں ”پڑھئے“ کا حکم دیا گیا ہے: **(اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقِهِ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ.)** (علق: ۱-۵)

”اے پیغمبر! اپنے اس رب کا نام لے کر قرآن پڑھئے، جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو ایک خون کے تھوڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھئے۔ آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، اس نے انسانوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔“

اور اسی قرآن کریم میں علم اور علماء کی فضیلت مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے، سورہ زمر میں ارشاد ہوتا ہے: **(قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ.)** (زمر: ۹)

”آپ فرمائیے کیا وہ لوگ جو

حقیقت آشنا ہیں اور وہ جو حقیقت سے ناواقف ہیں، کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟“ سورہ فاطر میں فرمایا گیا: **(أَنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ.)** (فاطر: ۲۸)

”اللہ تعالیٰ سے بس اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اللہ کی قدرت و عظمت کا علم رکھتے ہیں۔“ اور ظاہر ہے کہ جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم رکھے گا اتنا ہی وہ اس سے ڈرے گا اور یہ چیز علم ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

پھر دنیا میں جتنے بھی مفید علوم ہیں جن کے ذریعہ انسانیت کی خدمت ہوتی ہے ان کا سیکھنا فرض کفایہ ہے، یعنی ان علوم کو بعض انسانوں نے سیکھ لیا۔ جس سے انسانوں کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو ساری امت گناہ سے بچ گئی، جیسے کچھ افراد علم طب سیکھ کر ڈاکٹر اور حکیم بن جاتے ہیں، کچھ انجینئر اور دوسرے اہم علوم اور پیشے (فنون) سیکھ لیتے ہیں، اسی طرح دین اسلام کا تفصیلی علم سیکھنا یہ فرض کفایہ ہے، اگر امت میں ایسے علماء موجود ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں جن سے بوقت ضرورت دین کے باریک اور تفصیلی علوم معلوم کئے جاسکتے ہیں تو یہ فرض کفایہ پورا ہو رہا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ جہاں تک دین کی بنیادی چیزوں کا تعلق

ہے، ان کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، جیسے ایمان اور ایمانیات کا سیکھنا، عبادات، جو اس پر فرض ہیں ان کا سیکھنا، حلال حرام کا سیکھنا، پھر زندگی کے جس شعبے سے ایک مسلمان کا تعلق ہے، اس شعبے سے متعلق اسلام کے موٹے موٹے مسائل سیکھنا فرض ہے، جیسے اگر ایک مسلمان تجارت پیشہ ہے تو اسے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے کہ جس سے وہ تجارت کو اسلامی اصولوں پر چلا سکے، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایسے شخص کو تجارت کی اجازت نہیں ملتی تھی جو تجارت کے شرعی مسائل سے واقف نہ ہو۔

علم کے بعد دوسرا درجہ عمل کا ہے، بغیر عمل کے علم بیکار ہے اور علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسا درخت بغیر پھل کے ہو، یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جب اپنی امت کو تعلیم دیتے تو تعلیم کے ساتھ خود بھی اس علم پر عمل کرتے اور امت کو بھی عمل کرنا سکھاتے اور ان کی عملی تربیت فرماتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں ایک اہم صفت یہ بیان کی گئی ہے: **”وَيُذَكِّرُهُمْ“** اور وہ ان کا تزکیہ اور تربیت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم نافع اور علم صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

○○○

اسلام میں وعدہ کی اہمیت

کہ وہ اس عادت کو چھوڑ دے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۳۱۷۸) ایک حدیث میں ہے: جو شخص کسی مسلمان سے عہد شکنی کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ اس کے فرائض قبول کئے جائیں گے نہ نوافل۔ (بخاری: ۱۸۷۰) ایک روایت میں ہے: قیامت کے دن ہر غدار کے لئے ایک جھنڈا نصب ہوگا جو اس کے لئے بے وفائی کا نشان ہوگا۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۱۷۲۲)

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ایفاء عہد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اخلاص حسنہ کی حسین تشریح تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے شمار محاسن و خوبیوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک امتیازی وصف عہد و پیمانہ کو پورا کرنا بھی تھا، اور یہ وصف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اتنا نمایاں تھا کہ مسلمان تو مسلمان کفار مکہ اور دشمنان اسلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم خوبی کے معترف تھے، ابوسفیان جو مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، ان کے نقشہ کام لب مسلمانوں کے خون سے ہی سیراب ہوتے تھے، لیکن جب ہرقل نے بھرے دربار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پوچھا کہ کیا وہ عہد کو پورا کرتے ہیں؟

ہمکنار ہونے والے مومنین کی جہاں دیگر صفات ذکر کی گئی ہیں وہیں ایک صفت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ وہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ (المومنون: ۸) ایک دوسری جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایفاء عہد کی تاکید کی ہے، اور ان کو خبردار کیا ہے کہ قیامت کے دن اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۳۳) بغیر کسی عذر شرعی کے وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اور معاہدے کو توڑ دینا گناہ کبیرا ہے، اور اللہ جل شانہ کے غضب و غصہ کا موجب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد شکنی کو منافقین کی صفت قرار دیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: چار خصلتیں جس شخص کے اندر ہوں وہ پکا منافق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے، اور جب کسی میں مندرجہ بالا خصلتوں میں سے کوئی خصلت ہو تو اس میں ایک نشانی نفاق کی ہے، الا یہ

معاشرے کی تعمیر و ترقی میں جہاں بہت سے امور کلیدی حیثیت رکھتے ہیں وہیں وعدے کی تکمیل اور معاہدے کی پاسداری کا بھی خاص دخل ہے، ایفاء عہد ایسی محمود اور پسندیدہ صفت ہے کہ اس سے معاشرے میں باہمی تعاون اور آپسی اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے، اخوت و محبت اور ایثار و ہمدردی کے صالح جذبات نشوونما پاتے ہیں، اس کے برخلاف عہد کی خلاف ورزی اور وعدہ شکنی مذموم اور قابل صد نفیس عادت ہے، اس سے معاشرے میں بے اعتمادی اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور پورا سماج انتشار اور آپسی خلفشار کی تصویر بن جاتا ہے۔

وعدہ کی اہمیت شریعت کی نظر میں

چونکہ وعدہ کی تکمیل معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اور باہمی تعلقات کا مضبوط و مستحکم بنانے میں شاہ کلیدی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم کے اندر سورہ مومنون کی ابتدائی آیات میں فلاح و کامیابی سے

تو ابوسفیان نے برملا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ہاں وہ عہد کو پورا کرتے ہیں۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۷)

صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضاء کے لئے تشریف لائے تو حفص بن مکرز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس حقیقت کا اعتراف کیا، ماعرف بالقدر صغیر ولا کبیرا بل عرفت بالبر والوفاء (من اخلاق النبی الکریم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بچپن میں عہد شکنی کرنے والے سمجھے گئے نہ بڑی عمر میں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو حسن سلوک اور عہد و پیمان کو پورا کرنے میں شہرت رکھتے ہیں۔

غزوہ بدر میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی عدم شرکت کا واقعہ

انسان کا اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کہ خوفناک اور جاں گسل حالات سے وہ دوچار ہو جائے، حوادث اور گردش زمانہ کا وہ شکار ہو جائے، ایسے وقت بہت سے کم ہمت اور ضعف آشنا لوگ اپنی طبیعت و عادت کو چھوڑ کر ایسی چیزوں پر اتر آتے ہیں جو انسان کے لئے موجب تنگ و عار ہوتی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک عظیم مصلح، داعی کبیر اور رہبر عالم تھے، نے ایسے سخت اور دل فگار حالات میں بھی ان اصولوں سے دست

بردار نہیں ہوئے جن کی وہ پوری انسانیت کو دعوت دیتے ہیں، چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جب کہ مسلمان بے سرو سامانی کے عالم میں تھے، افراد اور اسباب و وسائل بھی مسلمانوں کے پاس ناپید تھے، دوسری طرف کفار مکہ ایک لشکر جرار لے کر شیخ اسلام کو گل کرنے کے لئے صف بستہ ہو گئے تھے، اور انہوں نے اپنے مال و دولت کا ایک معتدبہ حصہ اس جنگ کے پیچھے جھونک دیا تھا، ایسے مہیب اور زہرہ گداز حالات میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد بزرگوار یمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، اور عرض کناں ہوتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! ابو جہل نے راستہ میں ہم دونوں کو گرفتار کر لیا اور اس نے ہمیں یہ وعدہ لے کر رہا کیا کہ تم دونوں مسلمانوں کے ساتھ ہمارے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لو گے، لیکن چونکہ اس نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر یہ وعدہ لیا ہے اسی لئے ایسے وعدے کا کیا اعتبار؟ ہم جنگ میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! جب تم دونوں ابو جہل سے جنگ میں حصہ نہ لینے کا عہد کر چکے ہو تو اس عہد کی پاسداری ضروری ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو جنگ

میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس

کرنے کا ایمان افروز واقعہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ اور مسلمانوں کے مابین جب چند شرائط پر معاہدہ ہو گیا، اور ان شرائط کو قید تحریر میں لایا جا رہا تھا، اور اس معاہدے کی ایک دفعہ یہ بھی لکھی کہ اگر کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو کر مکہ مکرمہ آجائے تو کفار اس کو واپس نہیں کریں گے، لیکن اگر مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ چلا جاتا ہے تو مسلمان اسے مکہ بھیجنے کے پابند ہوں گے، عین اسی وقت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور اسلام قبول کرنے کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں عرصے سے برداشت کر رہے تھے، پابہ زنجیر حاضر ہوتے ہیں اور مسلمانوں سے فریاد طلب کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً تو کفار مکہ سے ان کو آزاد کرنے کی درخواست کرتے ہیں، لیکن جب وہ اس پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے ہیں تو حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں، اور ان کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ضرور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راہ نکالیں گے (سبل السلام من صحیح سیرۃ خیرۃ الانام: ۱/۲۵۵) ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم جو مسلمانوں کے حق میں نہایت شفیق اور مہربان تھے، مومنین کے تئیں محبت و ہمدردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی، کے دل پر اس وقت کیا گزری ہوگی، اور اس صورت حال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے ہوں گے، لیکن ان سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفاء وعدہ کی ایک زندہ جاوید مثال قائم فرمائی اور پوری انسانیت کو یہ پیغام دیا کہ ناموافق حالات میں بھی اپنے اصولوں پر کار بند رہنا اور دین و شریعت کو مضبوطی سے تھامنا ہی فلاح و کامیابی کی کلید ہے۔

مسلمانوں کا مفتوحہ علاقے واپس کرنا

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو گلستان انسانیت کے گل سرسبد اور پوری نوع انسانی کے لئے باعث شرف و افتخار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر صحبت نے ان کے اخلاق و کردار کو جو بلندی، ان کے افکار کو جو سرسبزی و شادابی عطا کی تھی وہ پوری دنیا کے لئے قابل رشک ہے۔ میں بھی ایفاء عہد اور معاہدے کے پاسداری کا وصف اتنا نمایاں تھا کہ آج کی خود غرض اور مفاد پرست دنیا میں بسنے والے لوگوں کو اس کا تصور بھی مشکل ہے، حضرت معاویہ

بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے مابین جنگ بندی کا جو معاہدہ تھا وہ مدت جب ختم ہونے کو تھی، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلم افواج کا ایک دستہ تیار کیا، اور ان کی سرحد کے قریب پہنچ دیا، تاکہ جوں ہی معاہدے کی مدت ختم ہو، رومیوں پر حملہ کر دیا جائے اور ان پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم کیا جائے، چنانچہ جوں ہی معاہدے کی مدت ختم ہوئی مسلم افواج نے پیش قدمی شروع کر دی اور رومیوں کے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا، اچانک انہوں نے پیچھے ایک سبک سیر گھوڑسوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا: اللہ کے بندو! عہد کو پورا کرو اور عہد شکنی مت کرو، یہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معاہدے کی مدت ختم ہو چکی ہے، اس لئے دھوکہ کیونکر ہوگا؟ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ ہرگز معاہدہ نہ توڑے، اگر معاہدے کی مدت ختم ہو جائے تو ان کو پیشگی اطلاع دے دی جائے کہ معاہدے کی مدت ختم ہو گئی ہے، اور ہم تجدید معاہدہ نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۱۵۸۰) اتنا سنا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر

واپس لے کر چلے گئے، اور دشمنوں کے جن علاقوں کو فتح کر لیا تھا ان کو بھی واپس کر دیا۔ یورپی اقوام جنہیں اپنی تہذیب و تمدن پر بڑا ناز ہے، اور انہیں پوری طویل تاریخ میں اس کی مثال پیش کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ سامراجیت اور ڈیکٹیشن کا بھوت ان کے دل و دماغ پر اس قدر سوار ہے کہ اپنے استعماری جذبہ کی تسکین کے لئے قتل و غارت گری، فریب و دھوکہ دہی اور عیاری و مکاری سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

مسلم سماج اور وعدہ خلائی

آج ہمارے مسلم معاشرے میں وعدہ خلائی ایک ناسور بن چکا ہے، وعدہ خلائی کا مرض اس قدر عام ہو گیا ہے کہ عوام تو عوام اچھے خاصے پڑھے لکھے دیدار لوگ بھی اس کا شکار ہیں، اور عجیب المیہ یہ ہے کہ اس کے گناہ ہونے کا تصور ذہنوں سے ختم ہوتا جا رہا ہے، ہمارے معاشرے میں وعدہ کی متعدد صورتیں رائج ہو چکی ہیں، ذیل میں چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

ملکی قوانین کی خلاف ورزی

حکومت کی طرف سے اجتماعی نظام کو منظم کرنے کے لئے جو قوانین تشکیل دیئے جاتے ہیں اگر وہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہیں ہیں تو ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان

قوانین پر عمل کرنا واجب ہے، اور ان قوانین سے روگردانی کرنا اور بغاوت کی راہ اختیار کرنا ناجائز ہے اور گناہ کبیرہ ہے، لیکن عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ دیدہ و دانستہ ان قوانین کو خاطر میں نہیں لایا جاتا، اور بلاجھجک انہیں توڑ دیا جاتا ہے، مثلاً ٹریفک حادثات پر کنٹرول کرنے کے لئے حکومت نے کچھ ضوابط مقرر کئے ہیں، جیسے گاڑی کی رفتار کس راستہ پر کیا ہونا چاہئے اس کے لئے جگہ جگہ شاہراہوں پر بورڈ نصب کئے گئے ہیں، عام راستوں پر پارکنگ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، غلط رخ پر گاڑی چلانے پر پابندی ہے، چوراہوں پر لال جتی چلنے پر گاڑی روکنے کا پابند کیا گیا ہے، گاڑی چلاتے وقت لائسنس اور ضروری کاغذات رکھنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، ان جیسے ضوابط کی خلاف ورزی ہمارے مسلم سماج میں ایک عام سی بات ہو گئی ہے، جو ان ہو کہ بوڑھا، جاہل ہو کہ عالم ہر کوئی ان ضوابط کو نظر انداز کر دیتا ہے، اور اسے یہ شعور نہیں ہوتا کہ اس طرح کی لاپرواہی اور بے اعتنائی سے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو رہا ہے، اسی طرح حکومت کی جانب سے رات دیر تک دکانیں اور ہوٹل کھلے رکھنا ممنوع ہے، لیکن جگہ جگہ بڑے ہوٹل اور دکانیں رات دیر تک کھلی نظر آتی ہیں، اور افسوس

تو یہ ہے کہ اس کے گناہ ہونے کا تصور بھی ختم ہوتا جاتا ہے۔

جلسے اور ضیاع وقت

آج کل بے جا قسم کے جلسوں اور کانفرنسوں کی بہتات ہو گئی ہے، ایک تو ان جلسوں کے پیچھے نہایت خفیر رقم صرف کی جاتی ہے، اور پانی کی طرح پیسے بہائے جاتے ہیں، دوسرے عام طور پر ان جلسوں کا مقصد نمائش اور شہرت طلبی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، اس طرح کے جلسے جلوس کے غیر معقول ہونے میں کوئی شک نہیں، تاہم وہ جلسے جو خالص دینی اور تعمیری مقاصد کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں ان میں بھی ضبط اوقات کا اہتمام نہیں ہوتا، اشتہارات میں جلسے کے آغاز ہونے کا جو وقت دیا جاتا ہے اس وقت پر خود جلسے کے نظماء اور ذمہ دار حضرات نہیں پہنچتے ہیں، اس طرح جلسوں میں شرکت کرنے سے خاصا وقت ضائع ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ جلسوں میں مقررین کو ایک مقررہ وقت دیا جاتا ہے، لیکن مقررین مقررہ وقت میں اپنی بات پوری نہیں کرتے ہیں، اور زیادہ وقت لے لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں وعدہ خلافی کے ضمن میں آتی ہیں، لیکن عام طور پر اس سے غفلت اور بھل انگاری برتی جاتی ہے۔

ڈیوٹی کے اوقات کی

عدم پابندی

ادارہ اور کمپنی کی طرف سے ملازمین کے لئے کام کے جو اوقات مقرر ہوتے ہیں ان کی پابندی کرنا بھی ضروری ہے، تاخیر سے جانا اور پوری تنخواہ وصول کرنا بھی شرعاً وعدہ خلافی کے ضمن میں آتا ہے، لیکن عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ملازمین ڈیوٹی کے لئے مقررہ وقت پر حاضر نہیں ہوتے، اور پوری تنخواہ وصول کرتے ہیں، اور اس میں عوام کو تو ایک طرف رکھتے خواص بھی جتلا ہیں، اور اس کے گناہ ہونے کا تصور بھی ختم ہو چکا ہے، اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ملازمین ڈیوٹی کے اوقات میں دفتری کام کے بجائے ذاتی کام کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی خیانت اور وعدہ خلافی ہے، اور گناہ کا باعث ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ امت مسلمہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن فرمائے اور وعدہ خلافی کا جو مرض مسلمانوں میں عام ہو گیا ہے اس کا ازالہ فرمائے، ایفاء وعدہ اور معاہدے کی پاسداری کے جوہر سے مسلم امت کو آراستہ فرمائے۔ آمین ثم آمین

□□□

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد زمعہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول کر لیا اور اپنی نخت جگر کا نکاح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سو درہم مہر پر خود پڑھا دیا۔ نکاح کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ گھر تشریف لائے، وہ ابھی تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ اس نکاح کا حال سن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور سر پر خاک ڈالی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں ساری عمر اپنی اس نادانی کا بہت قلق رہا۔

یہ مبارک نکاح باختلاف روایت ادھر ادھر رمضان یا شوال ۱۰ بعد بعثت میں ہوا۔ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اپنے پہلے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایک دفعہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ تکیہ کے سہارے لیٹی ہیں کہ آسان پھٹا اور چاند ان پر گر پڑا۔ انہوں نے یہ خواب حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو وہ بولے: ”اس خواب کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں عنقریب فوت ہو جاؤں گا اور تم عرب کے چاند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آؤ گی۔“ واقعی اس خواب کی تعبیر چند دن بعد پوری ہو گئی۔

بعض روایتوں کے مطابق حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور بعض کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ثانی ہوا۔ ۱۳ ہجری بعد بعثت میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں سے

الکبریٰ نے وفات پائی تھی۔ بن ماں کی بچیوں کو دیکھ دیکھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک افسردہ رہتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثار صحابیہ رضی اللہ عنہا حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم نے ایک دن بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو ملوں دیکھتی ہوں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں، گھر کا انتظام اور بچوں کی تربیت خدیجہ ہی کے سپرد تھی۔“ خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ”تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رفیق و همسار کی ضرورت ہے۔ اگر اجازت ہو تو آپ کے نکاح ثانی کے لئے سلسلہ جہنائی کروں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمایا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیان کی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بخوشی حرم نبوی بننے پر اظہار رضامندی کیا۔

سودہ رضی اللہ عنہا نام، قریش کے قبیلہ عامر بن لؤی سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی۔ ماں کا نام سوس بنت قیس تھا جو انصار کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی حضرت سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہایت صالح طبیعت عطا کی تھی، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز کیا تو انہوں نے فوراً اس پر لبیک کہا۔ ان کے سعید القدر شوہر نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سکران رضی اللہ عنہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ کئی برس یہاں رہ کر مکہ واپس لوٹے، جہاں چند دن بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت خدیجہ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت سوہہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو ساتھ لے کر آئیں۔ چنانچہ سوہہ سب حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

آیت حجاب کے نزول سے پیشتر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ازواج مطہرات کو باہر نہ لکنا چاہئے۔ اس کے لئے وہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عرض کر چکے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تھے۔ ایک دن حضرت سوہہ رضی اللہ عنہا خواتین کے ساتھ کسی غرض سے باہر جا رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے۔ حضرت سوہہ کا قد بلند و بالا تھا۔ حضرت عمر نے انہیں پہچان لیا۔ حضرت سوہہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تعلق سے آگاہ کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی اور تمام خواتین پردہ کی پابند ہو گئیں۔

حضرت سوہہ کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ظرافت بھی تھی جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات معظوظ ہوتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت سوہہ رات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک رکوع میں رہے۔ صبح ہوئی تو کہنے لگیں: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز میں

آپ نے اتنی دیر تک رکوع کیا کہ مجھے اپنی کعبہ پھوٹنے کا اندیشہ ہو گیا۔ چنانچہ میں بڑی دیر تک اپنی ناک سہلاتی رہی۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن کر تبسم ہو گئے۔

حضرت سوہہ نہایت رحم دل اور سخی تھیں، جو کچھ ان کے ہاتھ آتا تھا اسے نہایت دریا دلی سے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ حافظ ابن حجر نے اصابعہ میں لکھا ہے کہ حضرت سوہہ دستکار تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں۔ اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اسے راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ان کی خدمت میں درہموں کی ایک تھیلی ہدیہ بھیجی۔ انہوں نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا ”درہم“ بولیں ”تھیلی میں کھجوروں کی طرح؟“ یہ کہہ کر تمام درہم ضرورت مندوں میں اس طرح بانٹ دیئے جس طرح کھجوریں تقسیم کی جاتی ہیں۔

چونکہ حضرت سوہہ کا سن زیادہ ہو چکا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی نو عمر تھیں، اس لئے انہوں نے اپنی باری بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو دے دیں، جو انہوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: ”میں نے کسی عورت کو جذبہ رقابت سے خالی نہ دیکھا سوائے سوہہ کے“

حضرت سوہہ اتنے پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ نے فرمایا: ”سوائے سوہہ کے کسی عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہوتی۔“

حضرت سوہہ ۱۰ ہجری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئیں، چونکہ دراز قد اور فریبہ اندام تھیں اس لئے تیز چلنے سے مجبور تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزلد سے ردا لگی سے پہلے انہیں چلے جانے کی اجازت دے دی، تاکہ ان کو بھیڑ بھاڑ سے تکلیف نہ ہو۔

جیزہ الوداع کے موقع پر رسول ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا: ”اس حج کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھنا۔“

چنانچہ حضرت سوہہ اور حضرت زینب بنت جحش نے اس حکم کی نہایت سختی سے تعمیل کی۔ دوسری ازواج مطہرات ادائے حج پر اس حکم کا اطلاق نہیں کرتی تھیں لیکن حضرت سوہہ اور حضرت زینب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ساری عمر گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حضرت سوہہ فرمایا کرتیں: ”میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں۔ اب خدا کے حکم کے مطابق گھر سے باہر نہ نکلوں گی۔“

حضرت سوہہ نے حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں ۳۳ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت سکران کی صلب سے ان کے ایک فرزند تھے جن کا نام عبدالرحمن تھا۔ انہوں نے خلافت فاروقی میں جنگ جلولاء میں شرکت کی اور نہایت بہادری سے لڑ کر رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہ تھی ہوئی۔ حضرت سوہہ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے اور چاند سنن اربعہ میں۔ □

مولانا محمد سلمان بجنوری

اسلام بیزار طبقہ اور ہماری ذمے داری

جب اللہ کی طرف سے حق اپنی آخری اور کامل و مکمل شکل میں اسلام کے نام سے آیا، اس وقت اسلام کی مخالفت کا ایک سلسلہ تو کفار و مشرکین کی جانب سے براہ راست شروع ہوا، لیکن ایک دوسرا سلسلہ یہود و نصاریٰ کی جانب سے شروع ہوا، جو اس قدر کھلا و سیدھا مقابلہ نہیں تھا، بلکہ آج کل کی زبان میں بڑی حد تک پراکسی وار (غیر راست جنگ) کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن دنیا کے مزاج کے مطابق یہی زیادہ خطرناک اور

دور رس تھا، یہود و نصاریٰ نے ابتدائی دور میں عمومی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف راست جنگ سے گریز کیا، مگر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا، انہوں نے اسی دور سے اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنانے، قرآن کے بارے میں شک پیدا کرنے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش ایک مہم کے طور پر جاری رکھی، اس مہم نے تاریخ کے ایک موثر تحریک استشراق کی شکل اختیار کی اور اب جہاں کہیں بھی اس ذہنیت کے افراد یا تحریکات سامنے آتی ہیں وہ اسی تحریک استشراق کے برگ و بار اور اسی کلی کے جزئیات ہیں۔

اب ظاہر ہے، ایک مسلسل تحریک کا مقابلہ وقتی اقدامات سے نہیں ہو سکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ اس میدان میں منصوبہ بندی کے ساتھ جہد مسلسل کا آغاز کیا جائے۔

جیری فال ویل اور اسی قسم کے ہفوات بکنے والا لیکن کا بوپ بینڈ ایکٹ شانزدہم وغیرہ۔

اس سلسلے میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی فتنہ انگیزی کے جواب میں عام طور پر ہمارا طرز عمل یہ رہا ہے کہ ہم وقتی کارروائیوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً احتجاج کرتے ہیں، حکومتوں سے ان پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ اقدامات ہماری ایمانی غیرت کا تقاضا بھی ہیں اور اس فتنے کے وقت کی ضرورت بھی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ یہ اقدامات اصل مسئلہ کے حل کے لیے قطعی طور پر ناکافی ہیں اور اس کی وجہ سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ ہمارے یہ اقدامات وقتی اور عارضی ہوتے ہیں، جب کہ یہ مسئلہ مستقل اور دائمی ہے۔

دراصل یہ حق و باطل کی ایک رزم مسلسل ہے، جس کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا

اسلامی تعلیمات پر حملہ کرنے والے اور مسلمانوں کی تصویر بگاڑنے والے افراد، خواہ مسلم نام کے حامل ہوں اور مسلم خاندانی پس منظر رکھتے ہوں یا باضابطہ غیر مسلم پس منظر اور غیر مسلم نام کے حامل ہوں، ان دونوں قسم کے لوگوں کی زہرناکی تقریباً یکساں ہے، بلکہ بسا اوقات مسلم نام والے زیادہ بڑے نقصان کا سبب بن جاتے ہیں، خصوصاً اس لئے کہ مسلم نام کے ساتھ کافرانہ کردار، مسلمانوں میں اشتعال پیدا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب میں ہمارے یہاں، اس گھناؤنے کردار کے حوالے سے، سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور اب طارق فتح جیسے لوگ زیادہ جانے گئے یا بدنام ہوئے، جب کہ اسی دور میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں بہت سے لوگوں نے یہی کردار ادا کیا۔ مثلاً اسلام کو ایک برائی قرار دینے والا امریکی پادری فریٹکن گراہم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرنے والا پادری

اسی موقع پر ضروری ہے کہ تحریک استشرق پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔ استشرق کے لفظی معنی تو ہیں: مشرق کو جاننے کی طلب یا شرق شناسی۔ اصطلاحی اعتبار سے استشرق کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، جن کا آسان خلاصہ یہ ہے کہ اہل مغرب یعنی یورپین لوگوں کا مشرق کے عقائد، تاریخ، فنون، اور تہذیب و ثقافت کو جاننا اور اس کا مطالعہ کرنا، جس میں مرکزیت اسلام کے مطالعہ کو حاصل ہے۔ اسی سے لفظ مستشرق نکلا ہے، جس کا مفہوم ماہر علوم شرقیہ یا عالم مشرقیات ہے۔

تحریک استشرق کا آغاز کب ہوا؟ یا سب سے پہلے مستشرق کا لفظ کب اور کس کے لئے استعمال ہوا؟ اس میں مورخین کی آرا مختلف ہیں، لیکن اکثر حضرات کی رائے میں اس تحریک کا موجودہ مفہوم میں آغاز دسویں صدی عیسوی میں ان یورپین راہبوں سے ہوا جنہوں نے مشرق علوم و فنون کے حصول کے لئے اندلس کا سفر کیا، جن میں جبرٹ آف اورے لیک، پطرس الحترم اور ریمنڈ مارٹن کے نام شامل ہیں، لیکن ہمارے لئے اس وقت اس تاریخی بحث سے زیادہ اہم اس تحریک کے مقاصد اور محرکات ہیں۔

تحریک استشرق کے مقاصد و محرکات مورخین نے اپنے اپنے انداز سے بیان کئے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ استشرق کے محرکات و عوامل پانچ ہیں:

۱۔ مذہبی..... یہ تحریک استشرق کا

اصل محرک ہے کہ اسلام کا چہرہ مسخ کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں تشکیک پیدا کر کے مسلمانوں کو بھی اسلام سے دور کیا جائے اور عیسائیوں کو بھی اسلام کی طرف آنے سے روکا جائے، اس نوع کے مستشرقین میں اہم نام یہ ہیں: گولڈزیہر، نولڈیکے، رچرڈ ہیل، رچس بلیشے اور ولہاؤزن وغیرہ۔

۲۔ استعماری..... انیسویں صدی میں عالم اسلام کا اکثر حصہ مغربی استعمال کے ماتحت ہو گیا تھا، اپنے اس غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے مشرقی و اسلامی علوم و فنون کا استعمال کیا گیا، نیز اس کے لئے قدیم قومیتوں کو ابھارا گیا، جیسے مصر میں فرعونیت اور لبنان، فلسطین اور سوریہ کے علاقوں میں فنیقیہ، تاکہ اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کیا جاسکے۔

۳۔ تجارتی..... اس میں عالم اسلام کے قدرتی وسائل پر قبضہ کی کوششیں شامل ہیں۔

۴۔ سیاسی..... اس مقصد کے لئے عرب ملکوں میں مغربی ملکوں کے سفارت خانوں کے اندر اسلامی و مشرقی علوم و فنون کے ماہرین کو سکریٹری یا کلچر اتاشی کے طور پر رکھا گیا، تاکہ وہاں فتنہ انگیزی کر سکیں۔

۵۔ علمی..... یہ محرک سب سے کم ہے، لیکن بہر حال کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے علم میں اضافہ کی خاطر مشرقی و اسلامی علوم و فنون کو حاصل کیا۔ اس جگہ یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ مقاصد کے اختلاف کے باوجود مستشرقین کی محنت سے بے شمار قدیم اسلامی علمی نوادہ محفوظات زیور

طبع سے آراستہ ہوئے اور ان پر بے شمار تحقیقی کام ہوئے، لیکن مجموعی طور پر اس تحریک کا زرخ اسلام مخالف ہی رہا۔

اس تحریک کے مقاصد میں بنیادی طور پر یہ چیزیں شامل ہیں:

۱۔ مسلمانوں کو اپنے نبی، قرآن، شریعت اور فقہ اسلامی کے بارے میں شبہات میں مبتلا کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کو اپنے تہذیب و ثقافت سے اعتماد اٹھانا۔

۳۔ عقائد و افکار میں کمزوری پیدا کرنا۔

۴۔ اخوت اسلامی کی روح کو کمزور کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے درج ذیل نکات پر بنیادی حیثیت سے کام کیا گیا:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار، اس کے لئے آپ کی شخصیت کو ہر طرح مجروح اور بدنام کرنے کی کوشش منظم انداز میں کی گئی اور آج تک جاری ہے۔

۲۔ قرآن کریم کے کتاب الہی ہونے کا انکار..... اس پر بھی تفصیل سے محنت کی گئی، تاکہ کسی طرح قرآن کے کتاب الہی ہونے کو مشکوک بنایا جاسکے۔

۳۔ اسلام کے دین سماوی ہونے کا انکار..... اس کے لئے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی کہ اسلام یہودیت و عیسائیت سے مستفاد ہے۔

ان تینوں مقاصد کے لئے وحی الہی کا بھی انکار کیا گیا، یعنی یہ کہ آسمان سے کسی فرشتے کا وحی لے کر آنا، ایک وہم ہے، جو

کام کیا، لیکن آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ان موضوعات پر مسلسل اور تفصیلی کام کیا جائے اور وہ عربی اور اردو کے علاوہ انگریزی اور دیگر یورپین زبانوں میں، نیز ہمارے ملک کی زبان ہندی میں بھی ہو، تاکہ پوری وضاحت کے ساتھ حق کا پیغام عام ہو سکے۔ خاص طور سے فضلاء مدارس ان موضوعات پر محنت کرنے کی کوشش کریں کہ یہ خدمت دین کا وسیع ترین میدان ہے، اسی کے ساتھ وقتاً فوقتاً اٹھنے والے ان فتنہ گروں کے خلاف قانونی چارہ جوئی سے بھی گریز نہ کیا جائے، بلکہ اس پر روک لگانے کے لئے اپنے اپنے ملکوں میں قانون سازی کی بھی کوشش کی جائے۔ ●●●

لئے عربی میں شیخ مصطفیٰ سہابی کی ”الاستشراق والاستشراف“ و ”کتور عبدالقہار داؤد، عبداللہ المعانی کی ”الاستشراف والدراسات الاسلامیہ“ اور اردو میں ”اسلام اور مستشرقین“ مرتبہ سید صباح الدین عبداللہ مرحوم (جلدیں) اور ”اسلام اور مستشرقین“ مرتبہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر کا مطالعہ مفید ہوگا۔ خود ہمارے اکابر دیوبند اور ان سے پہلے علمائے امت کی کتابوں میں بڑا مواد موجود ہے جس سے اس موضوع پر کام کرنے میں مدد مل سکتی ہے اور بعض حضرات جیسے جتہ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی وغیرہ نے باقاعدہ موضوع بنا کر اسلام کے دفاع کا

بعض بیماریوں کا نتیجہ ہے۔ اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

۴- حدیث نبوی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، تاکہ اس پر بھی مسلمانوں کا اعتماد ٹھہ جائے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اکثر مستشرقین نے یہ کام ایک منصوبہ کے تحت کئے اور بعض اپنی ناقص معلومات کی بنا پر ان مقاصد کے لئے استعمال ہوئے۔

یہ تحریک استشراف پر ایک سرسری نظر ہے، جس سے اس فتنہ کی سنگینی کا ہلکا سا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ایک نہایت اہم بات یہ کہ ان مستشرقین کا کام عموماً چونکہ مغربی زبانوں میں ہے، اس لئے ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بھی اسلام کے بارے میں معلومات کا ذریعہ اکثر و بیشتر مستشرقین ہی کی کتابیں ہیں، اس لئے ان کی معلومات بھی اسلام کے بارے میں ناقص اور غلط فہمیوں سے بھرے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس طبقے کے زیادہ کج فکر لوگ سلمان رشدی یا طارق فتن جتے جاتے ہیں اور عام لوگ جدت پسند ہو جاتے ہیں۔

اب اندازہ لگایا جائے کہ اس درجہ منظم تحریک، جس کی پشت پر ہر دور میں حکومتوں کی طاقت اور وسائل رہے ہیں، اس کا مقابلہ کس درجہ منظم انداز میں کرنے کی ضرورت ہے؟ ایسا بھی نہیں ہے کہ اس موضوع پر کوئی کام نہ ہوا ہو، حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اخیر میں استشراف اور مستشرقین پر خاصا کام ہوا ہے، جس کا اندازہ کرنے کے

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بتایا جاتے کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گزارش ہے کہ جلد از جلد بتایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کر دیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔ جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲ بجے سے شام ۵ بجے تک فون پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔ دفتر کھلنے کا وقت ۲ بجے سے ۵ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : 9415911511 Mobile :

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

ایک جلیل القدر صحابی

مذکورہ قضیہ میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی جھگڑے اور مشاجرت کی وہی حیثیت ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے باہمی جھگڑے اور مشاجرت کی تھی، ان دونوں بھائیوں کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے، قرآن کریم نے دونوں کے واقعہ میں فیصلہ نہیں فرمایا، بلکہ بنی اسرائیل میں بھی کوئی ایسے گروہ سامنے نہیں آئے جو ان دونوں بھائیوں کے درمیان حق تلاش کرنے کے لیے عدالت لگا کر بیٹھے ہوں اور اپنی رائے کے مخالف کو ظن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہو۔

مگر افسوس ہے کہ اُمت محمدیہ کی طرف نسبت کرنے والے بعض طبقے یہودیوں کے اس عمل کا شکار ہو گئے، جس عمل کو یہودیت کی پوری تاریخ میں توجہ نہیں مل سکی تھی، اُمت محمدیہ میں سے جس گروہ نے سب سے پہلے ہلاکت کی اس وادی کو آباد کرنے کا راستہ اپنایا وہ درحقیقت ابن سہاہودی کا سازشی جھنڈا تھا، جس نے دین مسیحی کو منسوخ کرنے والے پولس نامی یہودی کے طرز پر دین اسلام کی بیخ کنی کا مشن سنبھالا تھا، سند چونکہ دین اسلام کا خاصہ ہے اور اس سند کی پہلی اینٹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جسے اپنی جگہ سے ہلائے بغیر ابن سہا اور فارسی جوہیت کی سازش کے پاؤں جتنا مشکل تھا، اس لئے اُس نے

پوری اسلامی زندگی اور تاریخی قرائنوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک واقعہ کو آپ کے تعارف و کردار کا مدار و انحصار بنایا گیا، جسے ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ ناانسانی اور زیادتی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا، یہ ایک ایسی زیادتی ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ بعد کا کوئی مسلمان حکمراں ہوتا تو بھی ناقابل فراموش تھی۔

بلاشبہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک قضیہ مذکورہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہادی غلطی پر تھے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مذکورہ موقف کے علاوہ ذاتی فضائل و مناقب کے اعتبار سے بھی حضرت معاویہؓ پر اسی فضیلت و برتری سے باوصف تھے، جو فضیلت و برتری حضرات شیخین کو حضرات مختلین پر حاصل تھی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابی ہیں، دیگر کبار صحابہ کرامؓ کی طرح آپ کے فضائل و مناقب بھی بطور خاص ذخیرہ حدیث میں موجود ہیں، آپ نے اندرونی و بیرونی خلفشار کی بھرمار میں ایسی مثالی و مستحکم اسلامی سلطنت کا عملی نمونہ پیش فرمایا جس سے بعد کی اسلامی خلفائوں پر تادیر نسیا پاشی ہوتی رہی۔

آپ کے امارت و خلافت کے اندرونی استحکام اور اغیار پر دہشت و ہیبت کا اعتراف اپنے پرانے سب ہی کرتے ہیں، الغرض! آپ کا دور خلافت، آپ کی شخصیت و کردار، تاریخ اسلام کا تاب ناک دور گزرا ہے، مگر فارسی جوہیت اور سہائی پروپیگنڈے کا گرد و غبار اسلامی دُنیا میں اس قدر پھیلا کہ وہ سب کچھ عام مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنا اور ان کی عیب جوئی کرنے کا سلسلہ شروع کیا تاکہ امت کا صحابہ سے اعتماد اٹھ جائے۔

چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے درو خلافت میں پیش آنے والے واقعات سے لے کر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تک طعن و تشنیع کا سارا طوفان اسی سلسلہ سیبہ کی کڑیاں ہیں۔

بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صریح ناانصافی، بلکہ بغض و حسد کا عالم ہے کہ اس وقت امت کا بہت بڑا طبقہ آپ کا مقام و مرتبہ معلوم کرتے ہوئے تعفن زیادہ تاریخی روایتوں پر تو انحصار کرتا ہے، مگر دربار نبوت سے صادر شدہ آپ کے فضائل و مناقب اور آپ کی لازوال دینی خدمات اور بے مثال انتظامی کمالات سے یہ طبقہ آنکھیں موندھے ہوئے ہے۔

دوسری طرف ایک طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع و حمایت کے عنوان سے وہی کارستانی دکھائی جس کی پاداش میں آپ کے مخالفین و معاندین کو ضلالت و گمراہی کے طوق پہنائے گئے تھے، یعنی جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص، ضلالت و مہملت کا سبب بنی ہوئی تھی، بعینہ اسی طرح یہاں بھی ہوا اور اس طبقہ نے خوارج و روافض کے بعد ”ناصیبت“ کی نئی شناخت قائم کر لی اور

اپنی مذہبیت کا معیار یہ بنا لیا کہ روافض نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس قدر نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے، اس کا تدارک اور بدلہ یہی ہے کہ ان کے مقابلہ میں العیاذ باللہ! حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آل بیت علیہم الرضوان کو مطعون کیا جائے اور حتی الوسع نیچا دکھایا جائے۔

اگر ناصیبت کی یہ روش شرعاً درست ہو اور اسلام کے مطابق قرار پائی ہو تو پھر روافض و خوارج کو اسلام سے برگشتہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی، مگر تمام فقہاء و محدثین کے نزدیک ہر دو انتہائیں دین اسلام سے متصادم ہیں، فقہاء و محدثین کے موقف کی واضح بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

”حضرت علیؑ کی وجہ سے دو گروہ ضلالت و ہلاکت کا شکار ہوں گے، ایک آپ سے بغض و عناد و عداوت رکھنے والا اور دوسرا آپ کی ذات و محبت میں غلو کرتے ہوئے حد سے گزر جانے والا۔“

جو فرد اور طبقہ اخلاص کے ساتھ دین اسلام کی طرف نسبت کرتا ہو، اس نسبت کی صداقت کا معیار یہ ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رائے قائم کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بالا کو اپنے سامنے رکھے اور اپنے رب کو اس پر گواہ بنا لے۔

یہاں پر فتنہ آلود ذہنیت پھر سوال

کر سکتی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ محاصرت و مخالفت کا سلسلہ تو جنگ جمل ہی سے شروع ہو چکا تھا، کیا ان دونوں جگہوں میں آپ کے مخالف حدیث بالا کا مصداق نہیں ہوں گے؟ اس فتنہ پرور ذہنیت اور زہر آلود فکر سے صراط مستقیم کے پیروکاروں کو بچانے کے لیے ہمارے اکابر نے مگر اہی پروف زریں اصول کی راہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں وہ اصول ذکر کئے جاتے ہیں، کیونکہ اس وقت شاہراہ شریعت کے کنارے کئی ایسے لوگ بھی جلوہ گر ہیں جو دستار کے دھوکے اور گفتار کے سحر کے ذریعہ راہ اعتدال پر راہ زنی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور سادہ لوح عوام تشویش یا ان کے دام تزویر کا شکار ہو رہے ہیں۔

۱- محبت (صحابی ہونا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا و رضوان کا ذریعہ بن چکی ہے، قرآن کریم کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ اور صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے ہیں، اس نسبت اور مقام کی نشی کوئی نہیں کر سکتا، کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس نسبت کو کسی صحابی سے سلب کر سکے یا اس کے بارہ میں محرومی کا فیصلہ کر سکے۔

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اساطین امت کے بارے میں امت کے سلف و خلف کا اتفاق ہے کہ وہ تمام کے تمام احکم دُنیا میں عادل اور انجام آخروی میں ناجی ہیں، ان کے بارے میں فسق و فجور کا

فیصلہ کرنے کا مجاز ہرگز کوئی نہیں۔ ہاں! ایسا شخص خود فتن و فجور کا مرتکب ضرور ہو جائے گا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کے بیان پر مشتمل آیات مبارکہ اور فرمیں نبویہ سے معارضہ کی وجہ سے ایسے شخص کے بارے میں کفر کا اندیشہ ضرور ہے۔

۳- مشاجرات صحابہ حقیقت و واقعہ ہیں، قرآن کریم کی جن آیات سے اس حقیقت و واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے، انہیں آیات سے طرفین و طاقتین کا مومن ہونا بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کی وجہ سے کسی ایک طائفہ سے صحابیت اور ایمان کی نسبت کو سلب نہیں کیا جاسکتا، ورنہ ایسے شخص کا اپنا ایمان سلب ہو جائے گا۔

۴- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس کے معاملات کے حل اور تصفیہ کے خود ہی مجاز تھے، ان کے معاملات میں موازنہ و مقارنہ کرنے کے لیے نہ تو انہوں نے بعد والوں کو اپنا حکم (ٹالٹ) مقرر کیا ہے، نہ ہی وہ اس بات کے اہل ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنوں سے ہزار ہا درجے بڑوں کے معاملات کے لئے عدالت قائم کرتے ہوئے کرسی فضا پر براجمان ہو سکیں۔

۵- مشاجرات کرام کو بیان کرنا جس سے کسی صحابہ کی توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہو، قطعاً ناجائز ہے۔ (الناصیہ عن طعن معاویہ) ان مختصر اصولوں کی روشنی میں حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کے ساتھ تاریخی روایتوں کی بنا پر روار کھے گئے برتاؤ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یقیناً معلوم ہوگا کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص اور ان کی گستاخی و بے ادبی کے مرتکب لوگوں کو دین اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اسی طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی توہین و تنقیص اور بے ادبی و گستاخی کرنے والوں کا بھی دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کا روحانی سلسلہ فارسی مجوسیت اور سہائی یہودیت کا تسلسل اور اسی کی تصویر ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صرف صحابی ہی نہیں، بلکہ مقرب صحابہ ہیں سرفہرست ہیں، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اور ان کے بعد اسلام کے لیے عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ یہ سب کچھ سیر وحدیث کے ذخیرہ میں محفوظ ہے، آپ کی رائے اور عمل کی موافقت میں لاتعداد صحابہ کرام تھے، امت مسلمہ میں اجماع کی رُو سے سارے صحابہ بشمول حضرت معاویہ عادل اور محفوظ تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس حیثیت و مرتبت سے آنکھیں موندھتے ہوئے، ذخیرہ حدیث و سیر کو پس پشت ڈالتے ہوئے، حیلے و شورش کے زمانہ میں تریب پانے والی تاریخی روایتوں کو بنیاد بنا کر آپ کو مشاجرات کی

بابت مجرم قرار دینا شرعاً ناجائز، بلکہ اپنے ایمان و عمل کا ضیاع ہے، ایسا کرنے والے کا مقام و مرتبہ اس نادان سے کم ہرگز نہیں جو سورج کو اپنے بدبودار تھوک سے مکدر کرنے کے لئے کوشاں و سرگرداں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور ایسے اعمال و کردار سے محفوظ رکھے جو ہمارے ایمان و عمل کے ضیاع کا باعث بنتے ہوں۔ آمین

○○○

بقیہ... سوال و جواب

اسی طرح مردوں کے لئے افضل یہ ہے کہ تحریر کہتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائیں، اور عورتوں کے لئے افضل یہ ہے کہ سینہ تک ہاتھ اٹھائیں، اس لئے کہ حدیث میں ہے۔
"والمراقة تجعل یدھا حذاء ثدیہا۔" (مسند احمد- ۳/۱۷۵)۔
تفصیلات کے لئے دیکھئے کتاب (مسلمی اختلافات اور راہ اعتدال، نیز دینی مسائل اور ان کا حل- ص- ۱۲۵)

س: غسل کے فرائض کیا ہیں جن کے بغیر غسل صحیح نہیں ہوتا؟
ج: غسل کے فرائض تین ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اور پورے بدن پر اس طرح پانی ڈالنا کہ کوئی بھی جگہ خشک نہ رہنے پائے، ان تین چیزوں سے کوئی بھی چیز چھوٹ جائے تو غسل صحیح نہیں ہوگا۔

(شامی- ۱/۱۱۲، ۱۱۳)

مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات

مسجد نبوی: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اجری میں مسجد قبا کی تعمیر کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، اس وقت مسجد نبوی ۱۰۵ فٹ لمبی اور ۹۰ فٹ چوڑی تھی۔ ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی توسیع فرمائی۔ اس توسیع کے بعد مسجد نبوی کی لمبائی اور چوڑائی ۱۵۰ فٹ ہو گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کی تعداد میں جب غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور مسجد ناکافی ثابت ہوئی تو ۱۷ھ میں مسجد نبوی کی توسیع کی گئی۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسجد نبوی کی توسیع کی گئی۔ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ تا ۹۱ھ میں مسجد نبوی کی غیر معمولی توسیع کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ اموی اور عباسی دور میں مسجد نبوی کی متعدد توسیعات ہوئیں۔ ترکوں نے مسجد نبوی کی نئے سرے سے تعمیر کی، اس میں سرخ پتھر

کا استعمال کیا گیا، مضبوطی اور خوبصورتی کے اعتبار سے ترکوں کی عقیدت مندی کی ناقابل فراموش یادگار آج بھی برقرار ہے۔ حج اور عمرہ کرنے والوں اور زائرین کی کثرت کی وجہ سے جب یہ توسیعات بھی ناکافی رہیں تو موجودہ سعودی حکومت نے قرب و جوار کی عمارتوں کو خرید کر اور انہیں منہدم کر کے عظیم الشان توسیع کی جواب تک کی سب سے بڑی توسیع مانی جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کا سفر اختیار نہ کیا جائے مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اس مسجد میں نماز کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ ہے سوائے مسجد حرام کے۔ دوسری روایت میں پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کا ذکر ہے۔ جس نے خلوص کے ساتھ وہاں نماز پڑھی جائے گی اسی کے مطابق اجر و ثواب ملے گا۔ انشاء اللہ۔

حجرہ مبارکہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دس گیارہ سال مدینہ منورہ میں گزارے۔ ۸ ہجری میں

فتح مکہ مکرمہ کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مبارک شہر کو اپنا مسکن بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا، اسی حجرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال بھی ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اسی حجرہ میں مدفون ہیں۔ اسی حجرہ مبارکہ کے پاس کھڑے ہو کر سلام پڑھا جاتا ہے۔ حجرہ مبارکہ کے قبلہ رخ تین جالیاں ہیں جس میں دوسری جالی میں تین سوراخ ہیں، پہلے اور بڑے گولائی والے سوراخ کے سامنے آنے کا مطلب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر سامنے ہے۔ دوسرے سوراخ کے سامنے آنے کا مطلب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر سامنے ہے اور تیسرے سوراخ کے سامنے آنے کا مطلب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر سامنے ہے۔

ریاض الجنۃ: قدیم مسجد نبوی میں منبر اور روضہ اقدس کے درمیان جو جگہ ہے وہ ریاض الجنۃ کہلاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: منبر اور روضہ اقدس کے درمیان کی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ ریاض الجنۃ کی شناخت کے لئے یہاں سفید سنگ مرمر کے ستون ہیں۔ ان ستونوں کو اسطوانہ کہتے ہیں، ان

ستونوں پر ان کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ ریاض الحجۃ کے پورے حصہ میں جہاں سفید اور ہری قالینوں کا فرش ہے نمازیں ادا کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے، نیز قبولیت دعا کے لئے بھی خاص مقام ہے۔

اصحاب صفہ کا چبوترہ: مسجد نبوی میں حجرہ شریفہ کے پیچھے ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ مسکین و غریب صحابہ کرام قیام فرماتے تھے جن کا نہ گھر تھا نہ درہ اور جودن و رات ذکر و تلاوت کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی درسگاہ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ اصحاب صفہ کی تعداد کم اور زیادہ ہوتی رہتی تھی، کبھی کبھی ان کی تعداد ۸۰ تک پہنچ جاتی تھی۔ سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۲۸، انہیں اصحاب صفہ کے حق میں نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔

جنت البقیع۔ بقیع الغرقہ: یہ مدینہ منورہ کا قبرستان ہے جو مسجد نبوی سے بہت تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے، اس میں بے شمار صحابہ (تقریباً ۱۰ ہزار) اور اولیاء اللہ مدفون ہیں۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیاں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپ کے چچا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔

جبل أحد (أحد کا پہاڑ): مسجد نبوی سے تقریباً ۲ یا ۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر یہ مقدس پہاڑ واقع ہے۔ جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أحد کا پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم أحد سے محبت رکھتے ہیں۔ اسی پہاڑ کے دامن میں ۲۷ھ میں جنگ أحد ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت زخمی ہوئے اور تقریباً ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہوئے تھے۔ یہ سب شہداء اسی جگہ مدفون ہیں جس کا احاطہ کر دیا گیا ہے۔ اسی احاطہ کے بیچ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مدفون ہیں، آپ کی قبر کے برابر میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدفون ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاص اہتمام سے یہاں تشریف لاتے تھے اور شہداء کو سلام و دعا سے نوازتے تھے۔

مسجد فبا: مسجد قبا مسجد نبوی سے تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ مسلمانوں کی یہ سب سے پہلی مسجد ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو قبیلہ بن عوف کے پاس قیام فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ خود اپنے دست مبارک سے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کے متعلق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَمَسْجِدَ أُتَسَبَّ عَلَى** **التَّقْوَىٰ** یعنی وہ مسجد جس کی بنیاد اخلاص و تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد انصی کے بعد مسجد قبا، دنیا بھر کی تمام مساجد میں سب سے افضل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سوار ہو کر کبھی پیدل چل کر مسجد قبا تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص (اپنے گھر سے) نکلے اور اس مسجد یعنی مسجد قبا میں آ کر (دور رکعت) نماز پڑھے تو اسے عمرہ کے برابر ثواب ملے گا۔

مسجد جمعہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسی مسجد میں جمعہ ادا فرمایا تھا: یہ مسجد قبا کے قریب ہی واقع ہے۔

مسجد فتح (مسجد احزاب): یہ مسجد جبل سلح کے غریب کنارے پر اونچائی پر واقع تھی۔ غزوہ خندق (احزاب) میں جب تمام کفار مدینہ منورہ پر مجتمع ہو کر چڑھ آئے تھے اور خندقیں کھودی گئی تھیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ دعا فرمائی تھی، چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس مسجد کے قریب کئی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی تھیں جو مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، مسجد ابو بکر رضی اللہ عنہ، مسجد عمر رضی اللہ عنہ اور مسجد علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ دراصل غزوہ خندق کے موقع پر یہ ان حضرات کے پڑاؤ تھے جن کو محفوظ اور متعین کرنے کے لئے غالباً سب

اور وہ حق کے سامنے جھک گیا

یہ دسمبر 1985ء کی بات ہے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ انگلینڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع میں یورکشائر کے شہر ڈیوزبری میں تشریف لے گئے تھے۔ ایک صاحب ویسٹ انڈیز کے بیٹھے ہوئے تھے جو کہ چند سال قبل مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت جی نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ ان سے ان کا نام معلوم کریں۔ اس شخص نے اپنا نام ”داؤد“ بتایا پھر آپ نے فرمایا کہ ان سے یہ معلوم کرو کہ یہ کس طرح حلقہ گوش اسلام ہوئے۔ اس سوال کے جواب میں ان صاحب نے کافی تفصیل بتائی۔ وہ انگریزی زبان میں بتا رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا ترجمہ اردو میں حضرت جی کے لئے کر رہے تھے۔ وہ صاحب کہہ رہے تھے کہ میں ویسٹ انڈیز کا رہنے والا ہوں۔ میرا آبائی مذہب ”عیسائیت“ تھا میں بچپن ہی سے مذہب پر عمل کرتا تھا اور مذہبیت کا گرویدہ تھا۔ ہمارے یہاں یورپین ممالک سے آئی ہوئی مشنریاں بھی کام کرتی تھیں خاص طور سے جب انگلینڈ سے کوئی مشنری ہمارے یہاں آتی اور وہ ہمارے علاقے میں کام کرتی تو

ان انگریزوں کے ہمارے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آنے کی وجہ سے میں ان لوگوں سے متاثر تھا اور برابر لندن جانے کا خواب دیکھا کرتا اور سوچتا تھا کہ اگر وہاں پہنچ جاؤں تو ان لوگوں کے درمیان زیادہ سکون سے زندگی بسر کر سکوں گا اور عبادت بھی۔ جب میں جوان ہوا اور مجھے ایک اچھی جاب کے ساتھ لندن جانے کا موقع ملا تو میں بہت خوش ہوا۔ لندن میں میرے کئی دوست پہلے سے مقیم تھے جو کہ وہاں سروس کی غرض سے گئے ہوئے تھے جب وہ وہاں کی زندگی اور خوشحالی کا تذکرہ کرتے تھے تو میرے منہ میں اور پانی بھرا آتا تھا۔ الغرض میں سروس کے لئے لندن کے قریب شہر وبلڈن میں ساؤتھ فیلڈز نامی علاقہ میں ایک ایسے فلیٹ میں جس میں میرے کچھ دوست بھی رہتے تھے، میں بھی رہنے لگا، چونکہ مجھے مذہب کا بہت شوق تھا اور اپنے ملک میں ہر ہفتہ گر جا گھر جانے کا معمول تھا۔ اس لئے یہاں بھی میں نے گر جا گھر کو تلاش کیا اور یہ جان کر میں بے حد خوش ہوا کہ گر جا گھر میری رہائش گاہ سے چند قدم پر ہی ہے جو کہ بہت صاف ستھری اور پرفضا جگہ میں ہے۔ لہذا جیسے ہی اتوار دن آیا میں اپنے کام

کاج سے فارغ ہو کر گر جا گھر پہنچ گیا۔ اس چرچ میں آئے ہوئے لوگ صرف گورے اور نسلاً انگلش ہی تھے اور بس میں ایک ہی کالا تھا۔ اس پہلی بار تو ہر شخص نے مجھے خوش آمدید کہا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ گرجوٹی جو میں ویسٹ انڈیز میں ان لوگوں میں پاتا تھا بالکل نہ تھی۔ پھر بھی میں نے سوچا کہ شاید میرے نئے پن کی وجہ سے میرا یہ احساس ہے۔ بھلا یہ لوگ جب غیر ملک میں اتنے خلیق ہوتے ہیں تو اپنے ملک میں کیسے بد اخلاق ہو سکتے ہیں، اس لئے میں نے ان دوسروں کو اپنے دل سے دور کر دیا جو کہ میرے خیالات میں جڑ پکڑنا چاہتے تھے۔ اگلے اتوار کو میں پھر وقت کی باندی کے ساتھ خوشی خوشی گر جا گھر گیا اور خوش تھا کہ اتنا پرسکون اور صاف ستھرا چرچ کا ماحول میری رہائش گاہ کے قریب ہی خدا نے دے دیا۔ جب گر جا گھر کا پروگرام ختم ہوا تو میں تھوڑی دیر مزید بیٹھنے کے بعد اپنے گھر آنے کے لئے گر جا گھر سے نکلا تو پادری صاحب نے مجھ سے نہایت رازدارانہ انداز سے اور نرم لہجہ میں کہا کہ ”مسٹر! کالوں کا چرچ دوسری جگہ ہے“ اور اس کا پتہ بھی بتا دیا۔ میں نے شکر یہ ادا کیا اور سمجھا کہ شاید یہ مجھے نیا سمجھ کر میری معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اس تاویل کے بعد میرے لئے کسی شک کے پیدا ہونے کی کوئی گنجائش نہ رہی اور میں مطمئن تھا۔

پھر جب میں آئندہ اتوار کو چرچ پہنچ تو میں نے اکثر لوگوں کے چہروں پر اچھٹے طرف سے ناگواری کے آثار کو محسوس کر لیا۔

پروگرام کے خاتمہ پر مجھ سے پادری صاحب نے کچھ لوگوں کے سامنے ہی خشک اور کچھ سخت لہجہ میں کہا کہ میں نے آپ سے پچھلے ہفتہ کہہ دیا تھا کہ مسٹر! چرچ صرف انگلش نژاد گوروں کے لئے ہے۔ کالوں کا چرچ دوسری جگہ ہے اور آپ آئندہ سے وہاں جایا کرنا۔ پادری صاحب کی اس بات سے مجھے بہت زبردست دھچکا لگا اور میں تھینک یوسر کہہ کر باہر نکل گیا۔ چونکہ میں مذہب کا دلدادہ تھا، عبادت سے محرومی اور اپنے ملک میں بنائے ہوئے خیالی محلوں کا قلع قمع ہوتے ہوئے دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا، گھر جا کر میں تنہائی میں بہت رویا، مجھے بالخصوص دو صدے پہنچے اول تو یہ کہ میں ایک ایسے چرچ میں جا کر عبادت کرنے سے محروم ہو گیا جو میرے گھر کے قریب اور میری تسکین خاطر کے اسباب جمع کئے ہوئے تھا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے ملک میں جا کر اخلاق و محبت کی دعوت دینے والوں کا وہاں وہ نرم لہجہ اور یہاں تعصب اور نسل پرستی اور محبت کے بجائے نفرت بھی، زبان سے یہ زہر پلاتا ہے جس کا میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ میرے دل کو چھلنی کر گیا۔

میں بہت دلبرداشتہ ہوا اور یہ سوچنے لگا کہ اب کیا کروں، کیا نہ کروں میں کام پر ضرور جاتا مگر وہ واقعہ جو مذکور ہوا، رہ رہ کر مجھے پریشان کرتا، دل بجا بجا گھرا رہنے لگا۔ اسی طرح کئی ہفتے گزر گئے، میرا چرچ میں جانا بند ہو چکا تھا اور کسی دوسرے چرچ میں جانے کی اس لئے ہمت نہ کر سکا کہ کہیں وہاں بھی

یہی حال نہ ہو۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ کام سے فارغ ہو کر شام کو میں بازار میں گھومتا رہتا، ایک روز میں دل بہلانے کیلئے بازار میں (Window Shopping) یعنی کھڑکی سے جھانک جھانک کر دوکانوں میں رکھی چیزوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ مجھے ایک اجنبی شخص ملا اور اس نے کہا ”السلام علیکم“ کیا آپ ویسٹ انڈیز کے رہنے والے ہیں؟ آپ ضرور مسلمان ہوں گے؟ قرآن پاک پڑھا کریں۔ اس نے ایک ہی سانس میں انگریزی زبان میں یہ جملے کہے اور چل دیا۔ میں نے کہا کہ میں مسلمان نہیں ہوں، میں No No کرتا رہ گیا اور وہ شخص اپنی بات کہہ کر ”قرآن پڑھا کریں“ چلا گیا۔

میں یہ بات سن کر سوچنے لگا کہ یہ کیا بات ہے؟ قرآن کیا ہے؟ اور یہ شخص کون تھا؟ وغیرہ وغیرہ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ہمارے ملک میں ایک قوم مسلمان کہلاتی ہے جس کی عبادت گاہ مسجد ہے اور وہ ایک کتاب بھی پڑھتے ہیں جسے قرآن کہتے ہیں۔ مگر قرآن میں کیا لکھا ہے، میں اس سے نا بلند تھا۔ پھر میرے دل میں جذبہ پیدا ہوا کہ اس ملک میں بھی مسجد ضرور ہوگی کیونکہ یہاں بھی مسلم آبادی ہے۔ مجھے مسجد میں جا کر قرآن کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئے۔ اس کا تذکرہ میں نے اپنے فلیٹ میں رہنے والے ہم وطن دوستوں سے کیا کہ میں کسی مسجد میں جا کر مسلمانوں سے ملنا چاہتا

ہوں۔ انہوں نے برجستہ اور یک زبان ہو کر کہا اس بات کو کبھی سوچنا بھی نہیں، اگر تم مسجد میں گئے تو مسلمان تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ مسلمان بڑے ظالم ہوتے ہیں، وہ غیر مسلموں کو موقع پا کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ (They Will Kill) وہ تم کو بھی ہلاک کر دیں گے، مگر جب میرا اصرار انہوں نے دیکھا اور میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کوئی خطرہ میں نے محسوس کیا تو تمہاری مدد لوں گا۔ انہوں نے مجھے ایک مسجد کا پتہ دے دیا جس کا نام (Crichleweed Mosque & Islamic Center) کرکل وڈ مسجد اور اسلامی سینٹر تھا میں نے ایک دن وہاں جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ پتہ چلا کہ وہاں دو پہر دو بجے پروگرام ہوتا ہے (یعنی نماز)۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں وہاں اب جا رہا ہوں اگر شام چھ بجے تک میرا ٹیلی فون نہ آیا تو سمجھنا کہ میں خطرہ میں ہوں اور تم وہاں تفتیش و تلاش کے لئے آجانا۔ میں سوادو بجے کے بعد ڈرتے ڈرتے مسجد کے دروازہ تک پہنچا، سامنے ہال نظر آ رہا تھا جس میں نماز ہو چکی تھی اور کچھ لوگ فرش پر دسترخوان بچھائے ہوئے کھانا کھانے کی تیاری کر رہے تھے (بعد میں پتہ چلا کہ یہ تبلیغی جماعت کے احباب تھے) انہوں نے مجھے دروازہ پر دیکھا تو لپک کر مجھے ہیلو ہیلو کہا اور انگریزی میں کہا آئیے، آئیے اندر تشریف لائیے۔ میں نے سب کے جوتے باہر اترے ہوئے دیکھا تو

میں نے اپنے جوتے اتار کر اندر جانے کا ارادہ کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے مجھے گلے لگایا اور میری کمر پر دونوں ہاتھ رکھنا چاہا تو مجھے اپنے ساتھیوں کی بات یاد آئی اور سمجھا کہ اس طرح گلے لگا کر ایک شخص دبایا کرتا ہوگا اور باقی ساتھی مار ڈالتے ہوں گے۔ میں نے بھی پہلوانوں کی طرح اپنے بازوؤں کا زور لگا کر اس کو دور رکھنا چاہا۔ (Ok. Ok.) ٹھیک ہے، ٹھیک ہے کہا۔ اس پر وہ صاحب مجھے چھوڑ کر کہنے لگے کہ آئیے اندر تشریف لائیے، اور ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت کیجئے۔ میں نے ہمت کر کے اور خود شکار کی طرح چوکنا رہتے ہوئے اندرون مسجد جانے کا ارادہ کیا، اندر جا کر پانی کی جگہ تھی جہاں ہاتھ منہ دھوتے ہیں، میں نے ہاتھ دھولے اور ان کے ساتھ عادت کے خلاف نیچے فرش پر بیٹھ گیا۔ یوں کھانے کے لئے میں بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا، مگر وہی دھیرے دھیرے کھایا جس میں سے وہ لوگ کھارہے تھے، ڈر تھا کہ کہیں زہر ملا کر نہ دے دیں۔ بہر حال یہ ظاہری اندیشے ضرور تھے مگر ان کی محبت و خلوص، منساری، مساوات اور ایثار کو دیکھ کر دل اندر سے ان کا فریفتہ ہو گیا۔

ان لوگوں کے پوچھنے پر کہ آپ کون ہیں؟ کس کے لئے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ میں نے اپنا پورا قصہ سنادیا، اور اسلام و قرآن کے بارے میں معلومات چاہی۔ ان لوگوں نے بڑی محبت سے مجھے اسلام اور اس کے ماننے والوں کا مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کے بارے میں بتایا اور انسانیت پر اسلام کے احسانات گنوائے۔ اسی دوران چائے وغیرہ بھی پیش کی، قرآن کریم کا بھی تعارف کرایا۔ نتیجہ میں اتنا مطمئن ہوا کہ اسی وقت اسلام قبول کرنے کی ان لوگوں سے پیشکش کی۔ ان لوگوں نے امام صاحب مسجد ہذا کے ہاتھ پر مجھ کو مسلمان کرایا اور میرا نام داؤد تجویز کیا جو مجھے بھی پسند آیا، میں نے اپنے ان فلیٹ کے ساتھیوں کو ٹیلی فون چھ بجے سے پہلے ہی کر دیا کہ سب ٹھیک ہے۔ کوئی خطرہ نہیں آپ لوگ گھبراتا نہیں میں خیریت سے ہوں۔

اس کے بعد میں نے اپنے کام سے کچھ دن کے لئے چھٹی کی درخواست دی، چھٹی ملنے پر میں نے جماعت کے ساتھ وقت لگایا اور الحمد للہ دھیرے دھیرے وقت نکال کر وہلڈن پارک مسجد میں قرآن سیکھنا شروع کر دیا اور دعوت اللہ، تعلیم وغیرہ تمام پروگراموں میں شریک ہونے لگا۔ مجھ کو جو سکون اور ایک خاص اطمینان اب حاصل ہوا وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ الحمد للہ پھر ایک مناسب خاندان کی میری ہم وطن زبان مسلم خاتون سے میری شادی ہو گئی اور اب اپنے گھر باہر کے حقوق ادا کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ میں اکابر کے مشورہ سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔

اندرون و بیرون ملک وقت لگا چکا ہوں اور مزید پوری زندگی لگانے کا ارادہ ہے۔ آپ سے استقامت کی دعا کی درخواست ہے۔

یہ تھی وہ مختصر سرگزشت جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اگست ۱۹۹۵ء میں ہم کو سنائی۔

داؤد بھائی سے کئی برس سے جماعتوں کی آمد و رفت کے باعث دعا و سلام ہماری بھی تھی اور وہ جب بھی ملتے بڑے تپاک کے ساتھ معافانہ و مصافحہ کرتے اور دیر تک محبت کے ساتھ گفتگو کرتے، بعض مسئلے مسائل بھی ہمارے علماء ساتھیوں سے دریافت کرتے رہتے تھے۔ ان کے علاقہ میں بھی جماعت کے ساتھ ہمارا جانا ہوا اور ان کا دینی شغف بھی ہم نے دیکھا، یہ قطعاً معلوم نہ تھا کہ یہ ایک نو مسلم ہیں۔ جب ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہم کو یہ سرگزشت سنائی تو ہم نے خود ان کی زبانی اس قصہ کو سننا چاہا اور انہوں نے سن و عن وہ سب تذکرہ کیا جو مندرجہ بالا سطور میں مفصل ذکر کیا گیا۔

اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ غلط خدا کے سامنے گمراہی اور جاہلیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں جس کی اندھیروں میں دھکے کھانے والے دوسروں کو بھی اندھیروں میں رکھتے اور رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن جہاں جہاں اور جب جب بھی ہدایت کا سوز داخل ہوتا ہے وہیں پر ایمان و سلامتی کی عطر بیزار ہوا کہیں انسانوں کے دل و دماغ کو مہکا دیتی ہیں۔

موجودہ اکثر اہل سیاست اور نفس پرست خواہ کچھ بھی نام دیں اور کیسی ہی تاویلیں کریں، یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہدایت ہے جو اپنا کام کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

سوال و جواب

واجب الستر بدن ناف سے لے کر گھٹنوں تک یعنی گھٹنا سمیت ہے جب کہ عورت کا پورا بدن سوائے چہرے اور ہتھیلی کے نماز میں چھپانا واجب ہے، اس فرق کو سبھی تسلیم کرتے ہیں اور کئی صحیح احادیث میں اس کے بارے میں وضاحت سے آیا ہے۔ اسی

طرح مرد کے لئے مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنا واجب یا سنت مؤکدہ ہے اور اس میں اس کے لئے ثواب میں ۲۵ گنا یا ۲۷ گنا زیادہ ثواب ملنے کا ذکر احادیث میں آیا ہے، جب کہ عورت پر مسجد جانا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے اور اس کے لئے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ گھر میں نماز پڑھے اس پر بھی سب متفق ہیں اور اس کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔

جب کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، لیکن احناف ان کا ذکر احادیث کے حوالہ سے کرتے ہیں، مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کا سجدہ مرد سے الگ ہونا چاہئے، مرد سجدے میں پیٹ کو ران سے علاحدہ رکھے گا جب کہ عورت پیٹ کو ران سے ملا لے گی اور ممکنہ حد تک سمٹ کر سجدہ کرے گی اس کا ذکر حضرت عمران ابن حصین کی روایت میں ہے۔ "فاذا سجدت الصفت بطنها على فخذيهما۔ (بخاری مسند احمد- ۳/۳۲۳)۔

(بقیہ..... صفحہ 33 پر)

ہوگی، یعنی آدھے چیز کا مالک شوہر ہوگا، بقیہ آدھے کے مالک دوسرے ورثاء یعنی مرحومہ کے بہن بھائی وغیرہ ہوں گے۔ مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ سسرال والوں کا عمل صحیح نہیں ہے۔

(شامی- ۲/۳۹۷)

س: نماز میں زبان سے نیت کرنا کیا ہے، سنت یا بدعت؟ یہاں بعض لوگ سنت کہتے ہیں بعض بدعت دونوں میں سے صحیح قول کس کا ہے؟

ج: نیت کا مطلب دل سے ارادہ کرنا ہے، اگر زبان سے بھی کہہ لے تو بہتر ہے، ضروری نہیں ہے، احناف کا مسلک یہی ہے۔ اس کو بدعت بعض دوسرے مسالک والے کہتے ہیں۔ (ہندیہ- ۱/۶۵)

س: عورت اور مرد کی نماز میں جو فرق بتایا جاتا ہے کیا وہ احادیث سے ثابت ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

ج: جی ہاں! عورت اور مرد کی نماز میں جو فرق بتایا جاتا ہے وہ احادیث سے ثابت ہے، کچھ چیزیں ایسی ہیں جن پر تقریباً سب کا اتفاق ہے، مثلاً: نماز میں مرد کے لئے

س: ایک شخص نے اپنی بیوی کا مہر نہیں دیا تھا، پھر بیوی کا انتقال ہو گیا، تو اب شوہر اس کا مہر دے گا یا نہیں؟ واضح رہے کہ مرحومہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، البتہ بہن بھائی ہیں۔

ج: جو کچھ بھی مہر مقرر کیا گیا تھا وہ شوہر کے ذمہ واجب ہے، اب بیوی کی وفات کے بعد اس کے مستحق مرحومہ کے ورثاء ہیں، ان ورثاء میں سے خود شوہر آدھے کا مستحق ہے، بقیہ آدھا مہر مرحومہ کے دوسرے ورثاء (بہن بھائی) وغیرہ کو اسلامی قانون میراث کے مطابق دے دیا جائے۔ اس کی مکمل وضاحت اسی وقت کی جاسکتی ہے جب دوسرے ورثاء کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائی جائیں۔ "وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَاَلِدٌ۔ (سورۃ النساء)

س: مرحومہ کو اپنے میکہ سے جو چیز ملا تھا اس پر کس کا حق ہے، سسرال کے لوگ سارا سامان اٹھالے گئے ہیں، کیا ان کا یہ عمل صحیح ہے؟

ج: اس چیز کی مالک بھی مرحومہ تھی جیسا کہ ہندوستان کا عام عرف ہے، لہذا اس کے انتقال کے بعد اس میں بھی وراثت جاری

یہ پیر سٹر مسلمان ہیں یا منافق؟

کے لئے عبرت و نصیحت ہے کہ ایک انگریز جنرل گورنر کے نزدیک نماز کی اور نماز کی اس قدر قدر دانی اور اہمیت کہ وہ ایک نماز کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور جب تک وہ بیٹھ نہیں گئے خود کرسی پر نہیں بیٹھے، اور مسلمان وکیل کی دینی بے حسی اور بے غیرتی دیکھنے کہ نماز ادا کرنے والے مسلمانوں کو دقیانوسی آدمی کہہ کر پکار رہا ہے؟

دیکھو انہیں جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہو، کاش دل حساس اس واقعہ سے عبرت لے اور چشم پینا کو پینا کو دونوں کی زندگی کا فرق دکھا سکے۔ آج مسلمانوں میں اس حوصلے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ زمانہ اور ماحول سے متاثر ہونے بغیر شعائر دین کی اہمیت اور عظمت کو محسوس کرتے ہوئے اس پر عمل کرے کیوں کہ تاریخ بتاتی ہے کہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے کسی دینی حکم اور سچائی پاکبازی کو چھوڑ دینا ابوطالب کا شیوہ ہے، اور ساری ملامتوں کے جھرمٹ میں خدا کے احکام کو ادا کرنا اور حق کے سامنے گردن ڈال دینا صحابہ کرام کا اسوہ او طریقہ ہے۔ حضرات صحابہ کا اسوہ ہمارے لئے سو فیصد قابل تقلید ہے لیکن ابوطالب کا شیوہ کسی طرح نشانِ راہ او نشانِ منزل نہیں۔

خدا کا نام لیا گیا۔ یہ پیر سٹر مسلمان ہیں یا منافق؟ اگر آپ کی خاطر ملحوظ نہ ہوتی تو ان کو کان پکڑ کر نکال دیتا، جو خدا کی عبادت سے معافی طلب کر رہے ہیں، ہم کو خوش کرنے کے لئے“

قارئین باتمکین غور فرمائیں! کہ وائسرائے کے یہ تاثرات اور جذبات کہ نماز پر اظہارِ خوشی، اور پیر سٹر کے ترکِ صلاۃ (نماز چھوڑنے) پر منافقت کا اندیشہ اور غصہ سے بھر کر ان کو لاج سے کان پکڑ کر باہر نکالنے پر آمادگی۔ لیکن تحمل و برداشت صرف نمازی مولوی کی وجہ سے، اور ان کے طفیل و برکت سے۔

لارڈ کرزن وائسرائے کا یہ جملہ ”خدا کی عبادت سے معافی طلب کر رہے ہیں ہم کو خوش کرنے کے لئے“ بڑا سخت تا زیانہ ہے، ایمانی حس اگر ہے تو نمازی بنانے اور بارگاہِ خداوندی میں جبینِ نیاز خم کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

مذکورہ واقعہ میں ہم تمام مسلمانوں

نواب مولوی محسن الملک علی گڑھ کالج کے سکریٹری تھے۔ کالج کو یونیورسٹی کی منظوری کے لئے ”لارڈ کرزن“ وائسرائے کے محل میں گئے، ساتھ میں دو پیر سٹر (وکیل) لے گئے۔ مغرب (کی نماز) کا وقت ہو گیا تھا وائسرائے لاج میں نواب صاحب نے نماز پڑھی۔ ان پیر سٹروں نے وائسرائے سے کہا:

”حضور! یہ مولوی صاحب دقیانوسی آدمی ہیں، آدابِ شاہی سے واقف نہیں، ہم لوگ بہت شرمندہ ہیں اور معافی کے خواستگار ہیں کہ انہوں نے یہاں نماز شروع کر دی“

وائسرائے سگریٹ پیتا رہا اور خاموش رہا۔ جب محسن الملک صاحب نماز پڑھ کر آئے تو وائسرائے ”لارڈ کرزن“ کھڑا ہو گیا اور مولوی صاحب کو کرسی پر بٹھا کر خود بیٹھا اور کہا: کہ ”مولوی صاحب! آپ سے دل بہت خوش ہوا، وائسرائے لاج کی تاریخ میں پہلی مرتبہ

हमारी हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से १, २	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	120.00
नबी-ए-रहमत	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	250.00
दस्तुरे हयात (जीवन का पथ-प्रदर्शक)	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	80.00
मदीने की डगर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
मानवता का संदेश	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
मानवता का स्तर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
जग के मोहसिन	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
अच्छे-अच्छे नाम अल्लाह के	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	25.00
इस्लाम मुकम्मल दीन मुस्तकिल.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
निशाने राह	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
नारी की प्रतिष्ठा और उसके.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
हिन्दुस्तानी मुसलमानों से साफ.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम एक परिचय	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	40.00
नौजवानों के नाम	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम किदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मोहम्मद असद	50.00
समान सिविल कोड	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	10.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ-ए-रमजान	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	40.00
हमारे हुजूर	अमृतल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी.....	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	मौलाना इलियास नदवी भटकली	220.00
Total		1705.00
Rate After Disc & Includign Postal Charges		900.00

मजलिस तहकीक़ात व नशरियाते इस्लाम
 पो० ब० न०: 93- नदवा कैम्पस नदवतुलउलमा, लखनऊ
 फोन न० : 0522.2741539
 मोबाइल न० : 9889378176
 इ-मेल : airpnadwa@gmail.com